فقیہ العراق

حضرت حمّاد بن ابی سُلیمان کُوفی رحمۃ اللہ علیہ

استاذ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ



جامع مسجد کوفہ کا ایک حسین منظر

تألیف

حضرت مولانا نعیم الدین صاحب مدظلہم

استاذ الحدیث جامعہ مدنیہ کریم پارک راوی روڈ

و مدیر صفہ ٹرسٹ محمود ٹرسٹ ٹونی روڈ لاہور

نظر ثانی و تقدیم

حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عبد الحلیم چشتی مدظلہم

رئیس شعبہ تخصص فی علوم الحدیث

جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

فقیہ العراق

حضرت حمّاد

بن ابی سلیمان کوفی رحمۃ اللہ علیہ

استاذ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ

تالیف

حضرت مولانا نعیم الدین صاحب مدظلہم

اُستاذ الحدیث جامعہ مدنیہ کریم پارک راوی روڈ

و مدیر صفہ ٹرسٹ محمود سٹریٹ موہنی روڈ لاہور

نظر ثانی و تقدیم

حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی دامت برکاتہم

رئیس شعبہ تخصص فی علوم الحدیث

جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

صفہ ٹرسٹ

محمود سٹریٹ، موہنی روڈ، لاہور

سلسلۂ اشاعت نمبر 22

نام کتاب: .... حضرت حمّاد بن أبی سُلَیمان کُوفیؒ

تصنیف: .... حضرت مولانا نعیم الدین صاحب مدظلہم

اشاعت اول: .... رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ / ستمبر 2008ء

باہتمام: .... صفہ ٹرسٹ محمود سٹریٹ موہنی روڈ لاہور

☆ ملنے کے پتے ☆

مکتبہ قاسمیہ ۱۷، اَلفضل مارکیٹ اُردو بازار لاہور

شیخ الہندؒ لائبریری، جامع مسجد عثمانؓ موہنی روڈ لاہور

اَلحبیب ہومیو پیتھک کلینک نزد چوک آرائیں بلڈنگ موہنی روڈ لاہور

ناشران خاوران، ۳ محمود سٹریٹ موہنی روڈ لاہور

ادارہ فاطمیہ، ۴۳ اے، ساندہ روڈ لاہور

حمیدہ سراج میموریل فری ڈسپنسری، ۳۷ ساندہ روڈ لاہور

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فہرست مضامین

عرضِ حال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آج سے تقریبا بارہ برس پہلے کی بات ہے کہ ناچیز نے مطالعہ کے دوران ''فقیہ العراق حضرت حماد بن ابی سلیمان رحمہ اللہ'' (م:۱۲۰ھ) کی سخاوت کے کچھ واقعات پڑھے تو دل میں داعیہ پیدا ہوا کہ حضرت حمادؒ کے حالاتِ زندگی معلوم کیے جائیں اور اِس داعیہ کو مزید تقویت اِس سے بھی ہوئی کہ آپ ہمارے امامِ عالی مقام سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ (م:۱۵۰ھ) کے اَساتذۂ کرام میں سے ہیں اور امام عالی مقام نے آپ کی خدمت میں اٹھارہ برس رہ کر علمِ حدیث اور علمِ فقہ حاصل کیا ہے، امام عالی مقام کو آپ سے حد درجہ عقیدت و محبت بھی تھی

راقم الحروف نے اللہ کا نام لے کر حضرت حمادؒ کے تاریخ میں بکھرے ہوئے حالات کو قلمبند کرنا شروع کر دیا اور یہ حالات ''انوارِ مدینہ'' کے تین شماروں میں قسط وار شائع ہوتے رہے، بعض اَحباب سے اِن حالات کی پسندیدگی کا علم ہو کر خوشی ہوئی اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا

عزیزم مولانا محمد عابد ناظم صفّہ اکیڈمی جو ناچیز کے مضامین کو شائع کرتے رہتے ہیں عرصہ سے اُن کا جذبہ تھا کہ حضرت حمادؒ پر لکھے جانے والے مقالہ کو بھی شائع کیا جانا چاہیے، چنانچہ اُن کی ترغیب و تحریض پر اِس مقالہ کو مستقل رسالہ کی شکل میں

شائع کرنے کی سعادت حاصل کی جارہی ہے،

حسنِ اتفاق سے اِن دنوں کراچی سے جامعہ علومِ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے شعبہ تخصص فی علوم الحدیث کے رئیس اور حضرت سیّد نفیس الحسینی شاہ صاحب رحمہ اللہ کے خلیفہ اجل حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی صاحب دامت برکاتہم لاہور تشریف لائے ہوئے تھے، ناچیز نے موقع کوغنیمت جانتے ہوئے حضرت سے عرض کیا کہ اگر حضرت یہ مقالہ سن کر اِس کے بارہ میں کچھ تحریر فرمادیں تو کرم ہوگا، حضرت نے بخوشی قبول فرمایا اور مولانا عابد صاحب کی زبانی سن کر اِس کی تحسین بھی فرمائی اور اس پر ایک وقیع علمی دیباچہ املا کروادیا فجزاهم الله أحسن الجزاء، اب اِس مقالہ کو رسالہ کی شکل میں حضرت چشتی صاحب کے دیباچہ کے ساتھ شائع کیا جارہا ہے، دُعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی بارگاہ کے نیک بندوں کے طفیل ہماری اِس کاوِش کو قبول ومنظور فرماکر مزید کی توفیق عطا فرمائیں وما توفیقی الا باللہ

اخوکم فی اللہ

نعیم الدین

۱۰ رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ / ۱۱ ستمبر ۲۰۰۸ء



تقدیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلحَمدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَسَلامٌ عَلیٰ عِبَادِہِ الَّذِینَ اصطَفٰی: اَمَّا بَعدُ!

حضرت مولانا نعیم الدین صاحب مدظلہم کا یہ مقالہ مولانا محمد عابد صاحب کی زبانی سنا، الحمد للہ یہ اچھا تحقیقی مقالہ ہے، اہل علم اور اَرباب ِذوق کے لیے ان شاء اللہ فائدہ مند رہے گا، مولانا موصوف نے اس مقالہ کا نام ''فقیہ العراق حضرت حماد بن ابی سلیمان کوفی ؒ'' رکھا ہے

یہاں یہ بات بھی ملحوظِ خاطر رہنی چاہیے کہ ایسے فقہاء کا تذکرہ اُن کے وصفِ غالب کی وجہ سے کیا جاتا ہے، اِس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ حدیث وآثار سے بے بہرہ اور علومِ حدیث میں مہارت نہیں رکھتے تھے

محدِّث اور فقیہ میں فرق:

محدِّث اور فقیہ میں فرق یہ ہے کہ محدث کا فرضِ منصبی یہ ہے کہ وہ حدیث کو سند کے ساتھ بیان کرے، معنیٰ حدیث تک رسائی اُس کے فرائضِ منصبی سے نہیں ہے، چنانچہ حدیث میں فرمایا گیا ہے:

''عَنِ ابنِ مَسعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ: نَضَّرَ اللّٰہُ عَبدًا سَمِعَ مَقَالَتِی فَحَفِظَھَا وَوَعَاھَا

وَاَدَّاھَا فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ غَیْرِ فَقِیْهٍ وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ اِلٰی مَنْ هُوَ اَفْقَهُ مِنْهُ[۱]"

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ اُس بندہ کو تروتازہ رکھے جس نے میری کوئی بات سنی اور اُسے یاد کیا اور محفوظ رکھا اور اُسے (جیسے سنا تھا ویسے ہی لوگوں تک) پہنچایا اس لیے کہ بعض حاملِ فقہ (علمِ دین سے آراستہ بھی) فقیہ نہیں ہوتے اور بعض حاملِ فقہ (فقیہ تو ہوتے ہیں لیکن وہ اُسے) اُن لوگوں تک پہنچا دیتے ہیں جو اُن سے زیادہ فقیہ ہوتے ہیں"

فقیہ کا کام یہ ہے کہ وہ حدیث کے معانی پر غور کرتا، اُس کی تہ تک پہنچتا، حدیث کے اَلفاظ سے مسئلہ کا استنباط کرتا اور حکم نکالتا ہے، اِس وجہ سے امام ترمذیؒ (م:۲۷۹ھ) "سنن الترمذی" میں رقم طراز ہیں:

" وَكَذٰلِكَ قَالَ الْفُقَهَاءُ، وَهُمْ اَعْلَمُ بِمَعَانِي الْحَدِيْثِ[۲]"

فقہاء حدیث کے معانی کو سب سے زیادہ بہتر سمجھتے ہیں (اُس سے مسئلہ استنباط کرتے ہیں اور اپنی فقہی بصیرت سے مسئلہ کا حکم نکالتے ہیں)

اس وجہ سے امام ترمذیؒ نے ہر باب میں حدیثوں کی روشنی میں فقہاء کے مذاہب بیان کرنے کا اہتمام کیا تاکہ لوگ اِس پر عمل کرکے نجات کی راہ پائیں، انہی وجوہ سے حافظ ابنِ حجر عسقلانی (م:۸۵۲ھ) نے "نُخْبَةُ الْفِكْرِ فِي مُصْطَلَح

---

۱ مشکوٰۃ المصابیح ص:۳۵، طبع: ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ، ۲ سنن الترمذی ج:۱، ص:۱۹۳، طبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

اَہلِ الْاَثَرِ" میں "محتف بالقرائن" کی اَقسام کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھا ہے:

"وَمِنْهَا الْمُسَلْسَلُ بِالْاَئِمَّةِ الْحُفَّاظِ الْمُتْقِنِيْنَ حَيْثُ لَا يَكُوْنُ غَرِيْبًا كَالْحَدِيْثِ الَّذِيْ يَرْوِيْهِ اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ مَثَلاً وَ يُشَارِكُهٗ فِيْهِ غَيْرُهٗ عَنِ الشَّافِعِيِّ، وَيُشَارِكُهٗ فِيْهِ غَيْرُهٗ عَنْ مَالِكِ بْنِ اَنَسٍ فَاِنَّهٗ يُفِيْدُ الْعِلْمَ عِنْدَ سَامِعِهٖ بِالْاِسْتِدْلَالِ مِنْ جِهَةِ جَلَالَةِ رُوَاتِهٖ وَاَنَّ فِيْهِمْ مِنَ الصِّفَاتِ اللَّائِقَةِ الْمُوْجِبَةِ لِلْقَبُوْلِ مَا يَقُوْمُ مَقَامَ الْعَدَدِ الْكَثِيْرِ مِنْ غَيْرِهِمْ[1]"

اورخبر مُحتَفّ بِالْقَرَائِنْ کی اقسام میں سے (تیسری قسم) وہ ہے جسے تسلسل کے ساتھ ایسے ائمۂ حدیث نے روایت کیا ہو جو پختہ ومتقن وحفاظِ حدیث ہوں اورروایت بھی اِس طرح سے کیا ہو کہ وہ خبر غریب نہ ہو، جیسے کہ وہ حدیث جسے حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے حضرت امام شافعیؒ سے روایت کیا، پھر اس حدیث کے امام شافعیؒ سے روایت کرنے میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے ساتھ کوئی اور بھی شریک ہو گیا، پھر حضرت امام شافعیؒ نے وہ حدیث امام مالکؒ سے روایت کی، اورامام مالکؒ سے روایت کرنے میں حضرت امام شافعیؒ کے ساتھ کوئی اور بھی شریک ہوگیا، تو یہ خبر اپنے سننے والے کوعلم نظری کا فائدہ دے گی، ایک اپنے راویوں کی جلالتِ قدر

[1] نخبۃ الفکر فی مصطلح اہل الاثر ص:۲۱، طبع الرحیم اکیڈمی کراچی

کی بناء پر، دوسرے اس لیے کہ اس خبر کے راویوں میں ایسے اوصاف قبول موجود ہیں جو اِن راویوں کے علاوہ دیگر راویوں کے عددِ کثیر کے قائم مقام ہیں

حافظ ابن حجرؒ کی بیان کی گئی سند احمد عن الشافعی عن مالک والی میں ذرا غور فرمائیں، اس سند میں کوئی تابعی نہیں، کوئی صرّافِ حدیث نہیں مگر سب ثقہ وعادل ہیں یہی وجہ ہے کہ صحابہؓ سب عادل ہیں، ان کی مراسیل تک بالاتفاق مقبول ہیں اور وہ یقین کا فائدہ دیتی ہیں

مراسیل صحابہؓ:

فقیہ ابواسحاق شیرازیؒ (۳۹۳-۴۷۶ھ/۱۰۰۳-۱۰۸۳ء) لکھتے ہیں

"مراسیل الصحابة مقطوع بعدالتهم[1]"

صحابہؓ کی مرسل روایتیں ان کی عدالت کی بناء پر یقین کا فائدہ دیتی ہیں

اس سے معلوم ہوا کہ ہر صحابی نے ہر روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود نہیں سنی ہے اور سند متصل نہ ہونے کے باوجود وہ یقین کا فائدہ دیتی ہے

صحیحین کی احادیث سے معارضہ:

صحیحین کی حدیثوں سے معارضہ کی صورت میں "محتف بالقرائن" کے زمرہ میں داخل حدیثوں کو بھی ترجیح حاصل رہے گی

امام موصوف نے "محتف بالقرائن" کی جو اَقسام بیان کی ہیں اُن میں ایک قسم یہ بیان کی ہے:

۱؎ اللمع فی اصول الفقہ ص: ۵۰

"احمد بن حنبل عن الشافعی عن مالک عن نافع عن ابن عمر اوعن عمر عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم "

اس سے معلوم ہوا کہ معارضہ کی صورت میں مسلسل بالفقہاء کی سند کو دوسری سندوں پر ترجیح ہوگی، یہ قاعدہ امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد حافظ وکیع[۱] بن الجراح (۱۲۹-۱۹۷ھ/ ۷۴۶-۸۱۲ء) کا ساختہ ہے، چنانچہ حاکم نیشاپوریؒ نے "معرفۃ علوم الحدیث" میں بسند متصل انہی سے نقل کیا ہے کہ

"الحدیث الذی یتداولہ الفقہاء خیر من الحدیث الذی یتداولہ الشیوخ[۲] "

وہ حدیث جسے فقہاء میں قبول حاصل ہے وہ اس حدیث سے بہتر ہے جسے شیوخ حدیث میں قبول حاصل ہے۔ اگر چہ وہ بسندِ نازل ہو یعنی فقہاء کی حدیث کے راوی کثیر ہوں اور شیوخ حدیث کی سند کے راوی کم ہوں

یہ اصول بھی یاد رہے کہ امام وکیعؒ جن کی بدولت یہ اصول حدیث کی کتابوں میں جگہ پاسکا امام ابوحنیفہ کے شاگرد اور حنفی ہیں

اس سے معلوم ہوا کہ اصول حدیث میں حنفیہ کا کیا اثر ونفوذ ہے، ذرا کسی اصول حدیث کی کتاب کا اشاریہ او رانڈیکس دیکھیں ،اس سے یہ حقیقت اورزیادہ واضح ہوجائے گی، مذکورۂ بالا اصول کا تذکرہ آپ کواصولِ حدیث کی ہر چھوٹی بڑی کتاب میں ملے گا، لیکن یہ بات کہ یہ اصول حنفیوں کا ساختہ پرداختہ ہے اس کا ذکر کہیں نہیں ملے گا۔

---

[۱] وکیع امام صاحب کے شاگرد اور حنفی ہیں الجواہر المضیہ ج:۲،ص:۲۸ ، [۲] معرفۃ علوم الحدیث ص:۱۱

امام احمدؒ کی سند کی خصوصیت:

امام احمد بن حنبلؒ (۱۶۴-۲۴۱ھ) نے حدیث کی جب تحصیل کا ارادہ کیا سب سے پہلے حدیث کی کتابت کا آغاز قاضی ابو یوسفؒ (م:۱۸۲ھ) کے حلقہ درس سے کیا، چنانچہ امام موصوف کا بیان ہے:

"اول ما كتبت الحديث إختلفت الى أبى يوسف كان أميل الى المحدثين من أبى حنيفة ومحمد[1]"

میں نے سب سے پہلے حدیث لکھنے کی ابتداء قاضی ابو یوسفؒ کے حلقہ درس سے کی اور ان کا حدیث کی طرف میلان امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ سے زیادہ تھا

امام موصوف کے بیان سے معلوم ہوا کہ بغداد میں قاضی ابو یوسفؒ کا حلقۂ درس جاری تھا اور محدثین وہاں حدیثیں لکھتے تھے

امام شافعیؒ کی سند کی خصوصیت:

مؤرخ اسلام حافظ ذہبیؒ (م:۷۴۸ھ) رقم طراز ہیں:

"واخذ...... ببغداد عن محمد بن الحسن، فقيه العراق، ولازمه وحمل عنه وقر بعير[2]"

اور بغداد میں امام شافعیؒ (م:۲۰۴ھ) نے فقیہ عراق محمد بن حسن الشیبانی سے حدیث وفقہ حاصل کی، ان کی ہم نشینی اختیار کی اور اُن سے ایک بارِ شتر علم حاصل کیا

امام شافعیؒ امام محمدؒ (م:۱۸۹ھ) سے کتابیں عاریۃً لے جاتے اور فائدہ اٹھاتے تھے[3]

---

[1] سیر اعلام النبلاء ج:۸،ص:۵۳۶ ، [2] سیر اعلام النبلاء ج:۱۰،ص:۷

[3] اخبار ابی حنیفۃ واصحابہ للصیمری ص:۱۲۸، طبع: عالم الکتب، الطبعۃ الثانیۃ ۱۴۰۵ھ

امام شافعیؒ (م:۲۰۴ھ) قاضی ابو یوسفؒ کی وفات کے بعد بغداد تشریف لائے تھے اس لیے ان سے فائدہ نہیں اُٹھا سکے، موصوف نے امام محمدؒ کو دیکھا اور سب سے زیادہ فائدہ ان سے اٹھایا، ایک بار شتر علم ان سے لکھا تھا[1]

امام مالکؒ کی سند کی خصوصیت:

امام مالکؒ (م:۱۷۹ھ) کی سند سے جو روایت آئے گی وہ معارضہ کی صورت میں قابل ترجیح ہوگی، حافظ ابن حجرؒ کے بیان کیے ہوئے اُصول کی روشنی میں اِن ائمہ حفاظ کی روایت کا مقام صحیحین کی روایات کے مقابلہ میں قابل ترجیح ہے اس لیے کہ یہ ائمہ حفاظ حدیث بلند پایہ فقہاء میں سے ہیں

مذکورۂ بالا اصول کی روشنی میں مندرجہ ذیل سند سے روایت کا بھی یہی حکم ہونا چاہیے

"ابو حنيفةَ عن حمادٍ عن ابراهيمَ عن علقمةَ او
عن اسودَ عن عبد الله بنِ مسعود"

امام ابوحنیفہؒ کی سند کی خصوصیت:

ذرا نظر بلند کیجیے :اِس حدیث کے راویوں کو دیکھیے کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ (م:۱۵۰ھ) حافظِ حدیث ہیں، فقہ میں بھی مسلّم امام ہیں اور حمادؒ کے شاگردوں میں سب سے بڑھ کر فقیہ ہیں، نیز حمادؒ کا شمار بھی حفاظِ حدیث میں کیا گیا ہے[2] (یہ ابراہیم نخعیؒ کے شاگردوں میں سب سے بڑھ کر فقیہ تھے) اور ابراہیم نخعی کوفیؒ (م:۹۵ھ) کے کہنے ہی کیا ہیں کہ وہ تو صرّافِ حدیث ہیں[3] اور حضرت علقمہ کے شاگردوں میں سب سے بڑھ کر فقیہ ہیں، حضرت علقمہؒ اور اسودؒ کا تو پوچھنا ہی کیا ہے کہ فقہ اور حدیث میں اِن کا مقام سورج سے زیادہ روشن ہے، حضرت علقمہؒ حضرت عبداللہ

---

[1] اخبار ابی حنیفۃ واصحابہ للصیمری ص:۱۲۸، طبع: عالم الکتب، الطبعۃ الثانیۃ ۱۴۰۵ھ

[2] طبقات الحفاظ للسیوطی ص:۵۵ الطبعۃ الرابعۃ، طبع: دار الباب مکۃ المکرمۃ الطبعۃ الاولی ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء،

[3] معرفۃ علوم الحدیث للحاکم ص:۱۶، طبع: دار الکتب القاہرہ ۱۹۳۷ء

بن مسعودؓ کے شاگردوں میں سب سے بڑھ کر فقیہ تھے، ان میں سے ہر ایک کا مقام اتنا بلند ہے کہ کسی دوسرے کی شرکت کی حاجت نہیں تاہم ہم حافظ ابن حجرؒ کی اس شرط کو کہ ان کے ساتھ کوئی اور بھی روایت میں شریک ہے مان لیں تو پھر وہ غرابت سے نکل جائے گی

(۱) حضرت علقمہؒ اسودؒ سے حضرات صحابہ فتوے پوچھتے تھے[1]

(۲) اور دو برس سفر و حضر میں حضرت عمرؓ کے ساتھ رہے ہیں

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی خصوصیت:

صحابہؓ کی مادری زبان عربی تھی، کلام الٰہی قرآن اور کلام رسول صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث و آثار عربی میں ہے، وہ اسے خوب سمجھتے تھے، وہ علوم نبوت کے جامع اور انوار نبوت، عبادت و ریاضت، زہد و تقویٰ کی صفات سے آراستہ تھے، جسے اب شریعت و طریقت کہا جاتا ہے، صحابہؓ کے شاگرد و تابعین بھی ان صفات سے آراستہ تھے

عہد نبوی میں علوم نبوت کی نشان دہی مؤرخ اسلام علامہ شمس الدین الذہبیؒ (م:۷۴۸ھ) نے ''تذکرۃ الحفاظ'' میں کی ہے، وہ فرماتے ہیں:

''کانت علومھم القرآن والحدیث والفقہ والنحو وشبہ ذالک[2]''

صحابہ کے علوم (۱) قرآن (۲) حدیث (۳) فقہ (۴) نحو اور ان جیسے اولیٰ علوم تھے

خلفاء اربعہ کے بعد مذکورہ بالا صفات صحابہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ میں زیادہ پائی جاتی ہیں اور

(۱) وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے، تکیے اور مسواک رکھنے والے

---

[1] طبقات الفقہاء للشیرازی ص:۵۸، طبع: المکتبہ العربیہ بغداد ۱۳۵٦ھ

[2] تذکرۃ الحفاظ ج:۱، ص:۲۰۵

(۲) اور ہر وقت خدمت میں حاضر رہنے والے تھے

(۳) مجتہدین صحابہ میں بھی ممتاز حیثیت رکھتے تھے

(۴) حضرت عمرؓ سے سو سے زیادہ مسائل میں اختلاف رکھتے تھے[۱]

(۵) حضرت عمرؓ نے انہیں معلم اور وزیر بنا کر کوفہ بھیجا تھا[۲]

(۶) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا شمار اُن چھ صحابہ میں ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں فتوٰی دیتے تھے چنانچہ علامہ ابن حزمؒ تحریر فرماتے ہیں

"کان ستة من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم
یفتون الناس: ابن مسعود وعمر بن الخطاب وعلی
وزیدبن ثابت وابی بن کعب وابو موسیٰ الأشعری[۳]"

(۷) حضرت معاذؓ (م: ۱۸ھ) نے انتقال کے وقت جن چار صحابہ سے علم حاصل کرنے کی وصیت کی تھی اُن میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی ہیں[۴]

چار کے نام یہ ہیں: حضرت ابو الدرداءؓ، حضرت سلمان فارسیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن سلامؓ

شاگردانِ عبداللہ بن مسعودؓ:

یہ سلسلہ ان کے شاگرد و تابعین و تبع تابعین اور بعد کے ائمہ میں جنہیں مسند درس و افتاء حاصل رہی ہے، کم وبیش برابر قائم رہا ہے

"قال ابراهیم النخعی: انتهٰی علم اهل کوفة الی ستّة
من اصحاب عبد الله بن مسعود رضی الله عنه فهُم

---

[۱] الاحکام فی اصول الاحکام ج:۶، ص:۶۱ ، [۲] تذکرة الحفاظ ج:۱، ص:۱۳، طبع: مجلس دائرة المعارف طبع دوم الطبعة الاولی ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۵ء [۳] الاحکام فی اصول الاحکام ج:۶، ص:۶۷ ، المعرفة والتاریخ ج:۲، ص:۵۵۳

الذین کانوا یفتون الناس ویعلّمونهم ویفتونهم

(۱) علـقمة بن قیس النخعی (۲) والاسود بن یزید

(۳) مسـروق بـن الأجـدع (۴) عبیـدة السـلمـانی

(۵) الـحـارث بـن قیـس (۶) عـمرو بن شرحبیل

الهـمـدانـی. واضـاف "وکان سعید بن جبیر یقول:

کان اصحاب عبد الله شیوخ[۱] هذه الأمّة[۲]"

فقیہ عراق ابراہیم نخعیؒ (م: ۹۵ھ) کا بیان ہے: اہل کوفہ کے علم کی انتہاء حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے چھ شاگردوں پر ہے اور یہ وہ شاگرد تھے جو لوگوں کو فتوٰی دیتے، انہیں تعلیم دیتے اور فتوٰی دینا سکھاتے تھے، ان کے نام درج ذیل ہیں

(۱) علقمہ بن قیس النخعی (۲) الاسود بن یزید النخعی

(۳) مسروق بن الاجدع (م: ۶۳ھ/ ۶۸۳ء)

(۴) عبیدۃ السلمانی (م: ۷۲ھ/ ۶۹۱ء)

(۵) الحارث بن قیس (۶) عمرو بن شرحبیل ہمدانی (عبید اللہ بن زیاد کے زمانہ میں کوفہ میں انتقال ہوا)

موصوف نے فرمایا کہ سعید بن المسیب (م: ۹۴ھ) فرماتے تھے شاگردان عبداللہ بن مسعودؓ اس امت کے چراغ ہیں

"قـال عـلـی بـن الـمـدینی: اعلم النـاس عبید[۳] الله،

---

۱ صحیح متنوں میں یہاں لفظ "سرج" ہے، چنانچہ طبقات الفقہاء للشیرازی میں ہے، "کان اصحاب عبدالله سرج هذه القریة" ص: ۶۰ ، ۲ المعرفۃ والتاریخ ج: ۱، ص: ۵۵۳، ۵۵۸ ، ۳ عبیداللہ کے متعلق حافظ المزی نے تصریح کی ہے کہ موصوف نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو نہیں پایا ہے (تہذیب الکمال ج: ۱۰، ص: ۵۳۴)، یہی وجہ ہے کہ ابراہیم نخعیؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ شاگرد چھ بتائے ہیں، اس لیے ہم نے ان کا تذکرہ نہیں کیا ہے،

علقمة، الاسود وعبيدة والحارث بن قيس، عمرو بن شرحبيل ومسروق بن الأجدع"

حافظ علی بن المدینی (م:۲۳۴ھ) فرماتے تھے:

شاگردان عبداللہ بن مسعودؓ (۱) عبید اللہ (۲) علقمہ (۳) الاسود (۴) عبیدۃ (۵) حارث بن قیس (۶) عمرو بن شرحبیل (۷) مسروق بن الاجدع سب سے بڑے عالم تھے۔

حضرت علقمہؒ کا مقام:

ابن سعدؒ نے ابراہیم نخعیؒ سے نقل کیا ہے کہ

''علقمہ ایک مرتبہ مکہ مکرمہ تشریف لائے تو انہوں نے طواف کیا اور طوال مفصل پڑھیں پھر طواف کیا اور مئین پڑھیں پھر طواف کیا اور مثانی پڑھیں پھر طواف کیا اور بقیہ سورتیں پڑھیں[1]''

ابن سعدؒ نے ابراہیم نخعیؒ سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ

''علقمہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے یہاں پڑھتے تھے اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی گود میں مصحف تھا اور حضرت علقمہؒ خوبصورت اور اچھی آواز میں پڑھتے تھے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے علقمہؒ سے فرمایا'' ٹھہر ٹھہر کر پڑھیے میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں'' اس سے معلوم ہوا کہ ابن مسعودؓ ان کی قراءت کے کس قدر فریفتہ وشیدا تھے[2]''

حافظ فضل بن دکینؒ فرماتے ہیں کہ

---

[1] الطبقات الکبریٰ ج:۶،ص:۸۸ ، [2] الطبقات الکبریٰ ج:۶،ص:۸۹

''حضرت علقمہؒ نے ۶۲ھ میں کوفہ میں وفات پائی اور وہ کثیرالحدیث (حافظ حدیث) تھے[۱]''

حضرت اسودؒ کا مقام:

ابن سعدؒ نے ابراہیم نخعیؒ سے نقل کیا ہے کہ

''اسودؒ شدید گرمی میں روزے رکھتے تھے یہاں تک کہ گرمی کی وجہ سے اُن کی زبان سیاہ ہو جاتی تھی[۲]''

''قال ابو اسحاق: جمع الاسود بن یزید بین ثمانین حجة و عمرة[۳]''

اُسودؒ نے اَسّی حج و عمرہ کیے، اکٹھے نہیں جدا جدا

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ

''عراق میں حضرت اُسودؒ سے بڑھ کر کوئی میرا محسن نہیں ہے[۴]''

حضرت ابراہیمؒ سے روایت ہے کہ

''حضرت اسودؒ (وہ حضرت عمرؓ کی ملازمت کرتے تھے) حج کے لیے جارہے تھے تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا کہ حضرت عمرؓ کو میرا اسلام دے دینا[۵]''

عبیدۃ السلمانی:

" اسلم بالیمین ایامَ فتح مکة ولم یر النبی صلی اللہ علیه وآلہٖ وسلم وکان عریفَ قومه هاجرالی المدینه فی زمان عمر وحضر کثیرًا من الوقائع، وتفقه،

[۱] الطبقات لابن سعد ج:۶،ص:۹۲ ، [۲] ایضاً ج:۶،ص:۷۰،۷۱ ، [۳] کتاب الثقات لابن حبان ج:۴،ص:۳۱ وفتح المغیث ج:۴،ص:۲۸۸،۲۸۹ والطبقات الکبریٰ ج:۶،ص: ۷۱ [۴] الطبقات الکبریٰ ج ۶،ص:۷۳ ، [۵] ایضاً ج:۶،ص:۷۳

وروی الحدیث و کان یُوَازِی شُریحًافی القضاء[1]"

فتح مکہ کے زمانہ میں یمن میں اسلام قبول کیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو نہیں دیکھا اور وہ اپنی قوم کے سربراہ تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مدینہ کی طرف ہجرت کی اور بہت سے معرکوں میں شریک ہوئے، فقیہ بنے، حدیثیں بیان کیں، اور یہ قضاء میں قاضی شریح کے ہم پلّہ تھے۔

"أخذ عن علی وابن مسعود، وقال العجلی عبیدۃ احد اصحاب عبد اللہ الذین یقرء ون ویفتون الناس. قال ابن سیرین مارأیت رجلا اَشدّ تو قیامن عبیدۃ، وکان مکثرًا عنہ[2]"

حضرت علیؓ وحضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے علم حاصل کیا، حافظ عجلی (۱۸۲ھ-۲۶۱ھ) کا بیان ہے کہ عبیدہ، عبداللہ بن مسعودؓ کے ان شاگردوں میں سے تھے جو لوگوں کو فتوٰی دیتے تھے، ابن سیرینؒ کا بیان ہے کہ میں نے عبیدہ سے بڑھ کر فتوٰی دینے میں احتیاط کرنے والا نہیں دیکھا اور یہ اُن سے بکثرت روایات نقل کرتے ہیں

عمرو بن شرحبیل:

"ابو میسرہ الھمدانی الکوفی روی عن عمر، وعلی، وابن مسعود، توفی فی ولایۃ عبید اللہ بن زیاد بالکوفۃ[3]"

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج:۱،ص:۴۸ ، [2] ایضاً ج:۱،ص:۵۰ ، [3] تاریخ الاسلام ووفیات المشاہیر والاعلام للذھبی ج.۲،ص:۶۹۰

ان کی کنیت ابوسیرۃ الھمدانی الکوفی ہے، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کی اور عبید اللہ بن زیاد کی دورِ حکمرانی میں کوفہ میں وفات پائی۔

الحارث بن قیس:

"صحب علیًا وابن مسعود، ولایکاد یوجد له حدیث مُسْنَدٌ کان یجلس الیه الرجل والرجلان فیحدّثهما، فاذا کثروا قام وترکهم"

حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کے شاگرد تھے، مؤرخ الذھبی کا بیان ہے ان کی مسند حدیث نہیں پائی جاتی (مرسل روایت کرتے تھے) ان کے پاس ایک، دو آدمی بیٹھتے، انہیں حدیث بیان کرتے، جب زیادہ ہوجاتے تو کھڑے ہوتے اوران کو چھوڑ کر چلے جاتے تھے (شہرت سے بچتے تھے)

"وقال حجاج بن دینار: کان اصحاب عبد الله ستة: علقمه، والحارث بن قیس والاسود، وعبیدة، ومسروق، وعمرو بن شرحبیل"

حجاج بن دینارؒ کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے چھ شاگرد تھے (۱) علقمۃ (۲) حارث بن قیس (۳) الاسود (۴) عبیدۃ (۵) مسروق بن الاجدع (۶) عمرو بن شرحبیل

"قال ابن المدینی، قتل الحارث مع علی، واَمّا خیثمة بن عبدالرحمن فقال: صلّٰی علیه ابو موسی

الاشعری رحمہ اللہ[1]"

حافظ علی بن المدینیؒ (م:۲۳۴ھ) کا بیان ہے: حارث حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شہید ہوئے، علامہ خیثمہ بن عبدالرحمٰن کا بیان ہے کہ ابو موسی الاشعریؓ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی تھی

مسروق بن الاجدع:

"هوا بن اخت البطل الكرار عمر وبن معدی كرب اخذ عن عمر وعلی ومعاذ وابن مسعودو اُبَیّ وعن الشعبی قال ما علمت احدًا كان اطلب للعلم منه وكان اعلم بالفتوی من شريح وكان شريح يستشيره، وكان مسروق لايحتاج الٰی شريح وقال ابواسحاق: حج مسروق فما نام الا ساجدًا حتی رجع، وعن امرأة مسروق انه كان يُصلِّی حتی يتورّم قدماه قال ابن المدينی: ما اقدم علی مسروق احدًامن اصحاب عبد الله وقدصلّٰی خلف ابی بكرالصديق[2]"

یہ مشہور بہادر جرنیل معدی کرب کی بہن کے بیٹے تھے، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت معاذؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت اُبیؓ کے شاگرد تھے۔

---

[1] تاریخ اسلام ووفیات المشاہیر والاعلام الذھبی ج:۲،ص:۳۹۶ ، [2] ایضاً ج ۲،ص ۱۰

شعبیؒ کا بیان ہے:

میں نے مسروق سے زیادہ علم کا طلبگار کسی اور کو نہیں پایا اور وہ شریحؒ سے بڑے مفتی تھے اور شریحؒ فتوی میں ان سے مشورہ کرتے تھے، اور مسروقؒ شریحؒ کے فتوی میں مشورہ کے محتاج نہ تھے۔

اور ابو اسحاقؒ فرماتے ہیں:

مسروقؒ حج کو گئے تو سجدہ میں آنکھ لگتی سو گئی، حج کے اخر تک یہی حال رہا

حضرت مسروقؒ کی بیوی فرماتی ہیں:

وہ نمازیں اتنی کثرت سے پڑھتے تھے کہ پاؤں پر ورم آجاتے تھے

علامہ حافظ علی بن المدینیؒ فرماتے ہیں:

میں حضرت عبداللہ کے شاگردوں میں مسروق کو سب سے برتر سمجھتا ہوں مسروق نے حضرت ابو بکرؓ کے پیچھے نماز پڑھی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے مذہب کی تدوین وتشکیل:

علامہ ابن القیم الجوزیۃ (م:۷۵۱ھ) نے ''اعلام الموقعین'' میں امام محمد بن جریر طبری (م:۳۱۰ھ) کا بیان نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں

''لم یکن احد لہ اصحاب معروفون، حرّروا فتیاہ ومذہبہ غیر ابن مسعود[1]''

---

[1] اعلام الموقعین عن کلام رب العلمین ج:۱ص:۲۰،طبع دار الجیل بیروت،ب،ت

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے سوا کوئی مجتہد و مفتی صحابی ایسا نہ
تھا جس کے مشہور و معروف شاگرد اس کے فتووں اور اس کے
مذہب کو قیدِ تحریر میں لائے ہوں

عبداللہ بن مسعودؓ کے تلامذہ کا امتیاز:

اسلامی قلمرو کے مرکز علم کوفہ میں تشکیل وتدوین فتاوی ومذہب کی جمع وترتیب کی سعادت سب سے پہلے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں کو حاصل ہے

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی قراءت، تفسیر، حدیث، فقہ وفتوٰی کی تعلیم اور عظیم کارناموں کی وجہ سے فقیہ کوفہ ابوعمرو عامر شعبی (م:۱۰۳ھ) نے موصوف کے متعلق کہا ہے:

”ما من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم
أفقه صاحباً من عبد الله بن مسعود“[1]

صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں (خلفاء اربعہ کے بعد)
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر فقیہ نہ تھا

شاگردانِ ابن مسعودؓ کی تعلیمی سرگرمیاں:

چنانچہ اسلامی قلمرو کے مرکزی شہر کوفہ میں
(۱) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگرد فتوے دیتے تھے
(۲) عہدۂ قضاء بھی ان کے پاس تھا
(۳) شہر کوفہ میں بیاسی برس کے بعد شاگردانِ ابن مسعودؓ حضرت

[1] طبقات الفقہاء للشیرازی ص:۶۰ طبع بغداد ۱۳۵۶ھ

علقمہ ؒ (م:۶۲ھ /۶۸۱ء) اور اسود بن یزید ؒ (م: ۷۵ھ /۶۹۴ء) کی تعلیمی سرگرمیوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ ۸۲ھ تک حدیث کے طلبہ چار ہزار اور جو فقیہ بن گئے تھے وہ چار سو تھے

چنانچہ محمد بن سیرین ؒ کے بھائی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد حضرت انس بن سیرین ؒ (م:۱۲۰ھ) کا بیان ہے

"اتیت الکوفۃ فرأیت فیھا اربعۃ آلاف یطلبون الحدیث وأربع مائۃ قد فقھوا[1]"

میں کوفہ میں آیا دیکھا کہ یہاں حدیث کے چار ہزار طلبہ اور جو فقیہ و قاضی بن گئے تھے وہ چار سو تھے

ان کی تعلیمی سرگرمیوں کو ایسی تعلیمی ترقی حاصل تھی کہ کسی اسلامی قلمرو میں اس کی نظیر نہیں ملتی[2]

اصحاب الرای کی کتابوں کا قبول عام:

دوسری صدی ہجری میں اصحاب الرای امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے

---

[1] المحدث الفاصل ص:۵٦، تحقیق د- عجاج الخطیب، طبع دار الفکر بیروت ، [2] یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ سرزمین ہند میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی ؒ، ان کا خانوادہ و شاہ ولی اللہ ؒ کا شاہی خاندان علوم شریعت و طریقت کا جامع اور ممتاز رہا ہے، ان کی عظیم خدمات کا اعتراف مولانا ڈپٹی نذیر احمد دہلوی نے ان الفاظ میں کیا ہے

"این خانہ تمام آفتاب است، اس خاندان نے تو ہندوستان میں اسلام کی وہ خدمتیں کی ہیں کہ بس خدا ہی ان کی داد دے گا، میرا اپنا عقیدہ تو یہ ہے کہ ان بزرگوں نے ہندوستان کے اسلام کے حق میں ایسا کام کیا ہے جیسا کہ اسلام کے حق میں مہاجرین اور انصار نے کیا تھا، رضوان اللہ علیہم اجمعین" (لیکچروں کا مجموعہ، لیکچرار ڈپٹی نذیر احمد ج:۲، ص:۲۷، لیکچر نمبر ۲۴، طبع ، اسٹیم پریس آگرہ سنت.۱۳۳۶ھ-۱۹۱۸ء)

اکابر دیوبند کی عظیم و شاندار خدمات تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہیں گی، ان کے ہمعصروں میں کوئی ان سے گوئے سبقت نہیں لے جا سکا، ان کا چشمۂ فیض عالم ایشیا، افریقہ، یورپ، امریکا ہر جگہ جاری و ساری ہے، صرف ایک تبلیغی کام ہی ایسا ہے جس نے دنیا کے گوشہ گوشہ میں دین پہنچایا اور برابر پہنچا رہا ہے

شاگرد قاضی ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، عبداللہ بن مبارکؒ وغیرہ کی کتابوں کو ایسا قبولِ عام حاصل تھا کہ انہیں ائمہ اور حفاظ حدیث کو بھی لکھے اور یاد کیے بغیر چارہ نہ تھا چنانچہ ابو بکر احمد بن محمد الخلال (م:۳۱۱ھ) کا بیان ہے

"کان احمد کتب کتب الرای وحفظها[1]"۔

امام احمدؒ نے کتب الرائے (فقہ حنفی کی کتابیں) لکھیں اور انہیں زبانی یاد کیا تھا،

خیر القرون میں طبقاتِ کتبِ سنن و آثار:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "خیر القرون قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم الخ" کے مطابق سب سے بہتر وہ زمانہ ہے جو میرا زمانہ ہے (عہدِ نبوی)، پھر میرے بعد آنے والوں کا زمانہ ہے (صحابہ کا دور)، پھر اُن کے بعد آنے والے تابعین کا زمانہ بہتر ہے، یہ وہ خیر و برکت کا زمانہ ہے جس کی خیریت و برکت کی ضمانت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے، یہ ترتیب زمانی بہتر ترتیب ہے

اس سے یہ حقیقت روشن ہو گئی کہ طبقاتِ کتبِ سنن و آثار میں زمانی ترتیب سب سے بہتر ترتیب ہے اس لیے کہ یہ زمانی، رتبی اور طبعی شرف و برتری اور خیر و برکت پر مبنی ہے

اس سے ثابت ہوا کہ اولیت کا شرف صحابہؓ کے صحیفوں کو، پھر تابعینؒ کی تالیفات و تصنیفات کو، پھر تبع تابعینؒ کی تالیفات و تصنیفات کو حاصل ہے

لہٰذا جن سنن و آثار کی تالیفات کو یہ شرف حاصل ہے انہیں حسب مراتب زمانی طبعی، رتبی شرف و برتری اور ترجیح مابعد کی تالیفات پر حاصل رہے گی

---

[1] سیر اعلام النبلاء، ج:۱۱، ص:۱۸۸

اس اصول کی روشنی میں ظاہر ہے صحابہؓ کے صحیفوں، تابعینؒ کی تصنیفات، تبع تابعینؒ کی تالیفات، پھر ان کے مابعد کی تالیفات کو جو شرف و برتری حاصل ہے وہ ان کے بعد کی تالیفات کو حاصل نہیں

خیر و برکت زمانی کی وجہ سے ترتیب زمانی کو مابعد کے زمانہ پر ترجیح حاصل رہے گی چنانچہ صحابیؓ کی روایت کو تابعیؒ کی روایت پر ترجیح حاصل ہے اور تابعیؒ کی روایت کو تبع تابعیؒ کی روایت پر ترجیح حاصل رہے گی

قاضی ابو یوسفؒ، امام مالکؒ، امام محمدؒ، امام اوزاعیؒ، ابن جریجؒ، سفیان ثوریؒ، شعبہؒ ائمہ فن اور علم کے سمندر ہیں اور ان میں سے بعض مجتہد تبع تابعی ہیں

مذکورۂ بالا دوسری سند میں امام اعظم ابو حنیفہؒ تابعی ہیں، حضرت حمادؒ، حضرت ابراہیمؒ، علقمہؒ اور اسودؒ یہ سب ائمہ تابعین ہیں، تاہم طبقہ میں ایک دوسرے سے بالاتر ہیں

زمانی ترتیب کی اہمیت:

یہ بات بھی پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کی تالیف ''کتاب الآثار'' خیر القرون (عہدِ نبوی، دورِ صحابہؓ و تابعینؒ) کی تالیفات میں سے ہے اس زمانہ میں اسلامی قلمرو میں چوٹی کے حفاظِ حدیث اور راویانِ سند پر تنقید کرنے والے بکثرت موجود تھے

امام ابو حنیفہؒ کے سب شاگرد کتاب الآثار کے راوی ہیں اور جن ائمہ حدیث کی کتابوں کو پڑھا جاتا تھا اور ان سے برکت حاصل کی جاتی تھی اور انہیں شہرت حاصل تھی ان میں امام اعظم ابو حنیفہؒ کی تالیفات بھی شامل ہیں، آپ کی تالیفات کو آپ کے زمانہ میں قبول عام حاصل تھا، جیسا کہ حاکم نیشاپوری کی

''معرفة الحدیث '' کی اُنچاسویں نوع میں بصراحت موجود ہے، وھو ھذا

ذکر النوع التاسع والاربعین

''ھذا النوع من ھذہ العلوم معرفة الائمة الثقات المشھورین من التابعین وأتباعھم ممن یجمع حدیثھم للحفظ والمذاکرة والتبرک بھم وبذکرھم من الشرق الی الغرب[1]''

اُنچاسویں نوع کا بیان: یہ نوع اُن مشہور تابعین، تبع تابعین ائمہ ثقات کے بیان میں ہے کہ جن کی حدیثیں (۱) حفظ و(۲) مذاکرۃ اور (۳) برکت کی خاطر جمع کی جاتی ہیں اور (۴) مشرق سے مغرب تک انہیں یاد کیا جاتا ہے

اس عنوان کی ذیلی سرخی (ص: ۲۴۵) میں اہل کوفہ میں امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت التیمیؒ کی تصریح ہے، اس میں ابراہیم نخعیؒ، امام اعمشؒ، امام سفیان ثوریؒ، منصور کے نام ہیں، ائمہ کوفہ کی فہرست لمبی ہے

اس فہرست سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کو علوم حدیث وروایت حدیث میں شہرت بھی حاصل تھی، ان کی حدیثوں کو یاد بھی کیا جاتا تھا، اس کا مذاکرہ کیا جاتا تھا اوران سے برکت حاصل کی جاتی تھی اور مشرق سے لے کر مغرب تک ان کا چرچا بھی تھا

امام ابوحنیفہؒ کی تالیفات کو اُن کے زمانہ میں قبولِ عام حاصل تھا چنانچہ دوسری صدی ہجری کے نامور ادیب ومتکلم ابوعثمان جاحظ (۱۶۰ھ- ۲۵۵ھ)

---

[1] معرفۃ علوم الحدیث ص: ۲۴۰

حسب ذیل عنوان (فائدۃ کتب ابی حنیفہ) کے تحت لکھتا ہے:

"وقد تجد الرجل يطلب الآثار وتاويل القرآن ومجالس الفقهاء خمسين عاماً، وهو لا يعد فقيهاً ولا يجعل قاضياً فما هو الا أن ينظر فى كتب أبى حنيفة، وأشباه أبى حنيفة ،ويحفظ كتب الشروط فى مقدار سنة أوسنتين، حتى تمر ببابه فتظن أنه من باب بعض العمال وبالحذاء ألا يمر عليه من الأيام الا اليسير، حتى يصير حاكماعلى مصر من الأمصار أو بلد من البلدان[1]"

اور تو کسی آدمی کو پائے گا کہ وہ آثار وسنن اور تفسیر وتاویل قرآن کا طلب گار رہوگا، اور پچاس برس تک فقہاء کی ہم نشینی کرتا رہے گا، اس کے باوجود نہ تو اس کا شمار فقہاء میں ہوگا اور نہ اسے قضاء کا عہدہ نصیب ہوگا، مگر جب امام ابوحنیفہ اور ان جیسوں کی کتابوں کا مطالعہ کرے گا، اور کتب شروط سال دو سال میں یاد کرے گا یہاں تک کہ تو اس کے دروازے سے گزرے گا تو گمان کرے گا کہ یہ کسی رئیس و حاکم کا دروازہ اور صحن ہے، چند ہی دن گزریں گے کہ کسی شہر و بلد کا حاکم ہوگا،

اس سے معلوم ہوا کہ اس دور میں فقیہ ہونا کیسا مشکل کام تھا

---

[1] کتاب الحیوان ج:۱ص:۶۰ طبع: دارالکتب العلمیۃ

مؤطا امام مالکؒ ، مؤطاامام محمدؒ، قاضی ابو یوسفؒ اور امام اوزاعیؒ وغیرہ تبع تابعین کی تالیفات کو جو مقام ومرتبہ حاصل ہے مابعد کی تالیفات کو نہیں

زمانی ترتیب کے اعتبار سے بھی ''کتاب الآثار'' خیر القرون کی تالیفات میں سے ہے اس لیے اس کو تبع تابعین کی تالیفات پر ترجیح حاصل ہے یہی سلسلہ بعد میں بھی جاری رہے گا

باقی مشہور ترین کتب اَحادیث کا تعلق چونکہ خیر القرون کی تالیفات سے ہے ہی نہیں لہٰذا اُن کا مقام ومرتبہ بھی ''کتاب الآثار'' سے کم تر اور تبع تابعین کی کتابوں سے بھی فروتر ہے، جیسا کہ'' النکت ''میں حافظ ابو عمرو ابن الصلاح فرماتے ہیں:

''قال الامام بدرالدين الفقيه الاصولی النظار محمد بن عبدالله الزَّرْکشی الشافعیؒ (م:۷۹۴ھ):
وایضًا قوله''ان الامّة تلقت الکتابین بالقبول'' ان أراد کل الامّة فلا یخفٰی فساده لان الکتابین اِنما صُنفا فی المائة الثالثة بعدعصر الصحابة والتابعین وتابعیهم وائمة المذاهب المتبعة ورء وس حفّاظ الأخبار ونُقّاد الآثار،وان اراد بالامة الذین وُجدوا بعد الکتابین فهم بعض الامة لاکلّهم فلا یستقیم دلیله الذی قدره من تلقی الامّة وثبوت العصمة لهم[1]''

محدث ،نامور فقیہ واصولی علامہ الزرکشی شافعیؒ (م:۷۹۴ھ) نے فرمایا: اُمت میں ان دونوں کتابوں کو قبول حاصل رہا

---

[1] النکت علی ابن الصلاح، النوع الاول: معرفۃ علوم الحدیث، تحقیق محمد علی سمک، طبع: دار الکتب العلمیہ بیروت ص:۸۹!

ہے‘‘ (حافظ ابوعمرو بن الصلاحؒ کے مذکورۂ بالا قول سے) مراد
اگر پوری اُمت ہے تو اس بات کا بے بنیاد ہونا ہر ایک کو معلوم
ہے اس لیے کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم یہ تیسری صدی ہجری کی
تالیفات میں سے ہیں، اور اگر (حافظ ابوعمرو بن الصلاح کے
قول) ’’اُمت‘‘ سے مراد ایسی اُمت ہے جو ان دونوں
کتابوں کے وجود کے بعد آئی ہے تو وہ امت کا کچھ حصہ ہے،
(تو وہ پوری امت نہیں)، لہٰذا یہ بھی بے اصل اور بے بنیاد
بات ہوئی (اس بناء پر) تلقّی و قبولِ اُمت اور ثبوتِ عصمت
کے دعوٰی میں جس دلیل سے حافظ ابوعمرو بن الصلاحؒ نے
اندازہ لگایا ہے وہ ایک بے بنیاد بات ہے

اِن وجوہ سے طبقات کتب سنن و آثار میں زمانی ترتیب سب سے بہتر وموزوں ترتیب قرار پاتی ہے

اخبارِ آحاد پر عمل:

آیات احکام کے بعد ائمہ مذاہب کے یہاں مذہب کی بنیاد اکثر و بیشتر ’’اخبارِ آحاد‘‘ ہوتی ہیں، لیکن عموماً یہ ایسی اخبار آحاد ہوتی ہیں جن کے راوی ثقہ، حافظِ حدیث اور فقیہ ہیں

مذہبِ حنفی کی خوبی:

لیکن مذہبِ حنفی کی خوبی یہ ہے کہ ان کے یہاں ایسی ’’خبر واحد‘‘ کو بنیاد بنایا جاتا ہے جو فقہاء کے یہاں معمول بہا ہوتی اور ان میں تواترِ عملی پایا جاتا ہے جیسا کہ قاضی ابو یوسفؒ کے قول سے عیاں ہے، چنانچہ امام موصوف امام ابوعمرو اوزاعیؒ (م: ۱۵۷ھ) سے فرماتے ہیں:

"فعليك من الحديث ماتعرف العامة،وإياك والشاذ منه[1]"

آپ کے لیے ضروری ہے کہ آپ ہمارے مقابلہ میں معمول بہا حدیثیں پیش فرمائیں اور غریب وشاذ حدیثیں پیش کرنے سے گریز کریں

معمول بہا حدیث وآثار پر عمل وہ تواتر عملی[2] ہے جس کے متعلق امام محمدؒ "مؤطا محمدؒ" میں جابجا فرماتے ہیں

"وهو قول ابی حنيفة والعامة من فقهائنا[3]"

اور یہی حضرت امام ابوحنیفہؒ اور ہمارے عام فقہاء کا قول ہے

"قال الامام الحافظ الجصاص فی أحكام القرآن وهو يتحدث عن حديث: "ليس للقاتل من الميراث شيئٌ": وقد استعمل الفقهاء هذا الخبر، وتلقوه بالقبول فجرى مجرى التواتر كقوله عليه السلام:

---

[1] الردعلی سیرالاوزاعی ص:۲۴،طبع:ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی

[2] علامہ محقق ابن الہمام (م:۸۶۱ھ) کے نامور شاگرد علامہ ابن امیر الحاج (م:۸۷۹ھ) التقریروالتحبیر میں رقم طراز ہیں

"المتواتر نوعان :متواتر من حيث الرواية،ومتواتر من حيث ظهور العمل به من غير نكير فان ظهوره يغنى الناس عن روايته"

متواتر کی دوقسمیں ہیں:

(۱) روایت کے اعتبار سے تواتر حاصل ہو

(۲) عمل کے اعتبار سے تواتر حاصل ہو، اس پر کسی کو مجال سخن نہیں (سب کے لیے قابل قبول ہے) اس لیے کہ اس پر ہمیشہ عمل کا پایا جانا مخالف رواتیوں پر عمل کرنے سے بے نیاز کردیتا ہے (التقریروالتحبیر ج:۳،ص:۶۴)

یہ اہم بات ہے کہ احناف ایسی رواتیوں کو جن پر تواتر عملی نہیں پایا جاتا عمل نہیں کرتے

[3] مؤطاالامام مالک روایۃ محمد بن حسن الشیبانی ص:۱۳،۹۰،۱۱۹،۱۳۸،تحقیق:عبدالوھاب،طبع:المکتبۃ العلمیہ بیروت

"لا وصيّةَ لوارثٍ"وقوله: "لا تنكح المرأة على عمّتها ولا على خالتها"و"اذا اختلف البيّعان فالقول ماقاله البائع او يترادّان"وما جرى مجرى ذٰلك من الاَخبار التي مخرجها من جهة الاَفراد،وصارت في حيّز التواتر لتلقّي الفقهاء لها بالقبول من استعمالهم ايّاها[1] "

چنانچہ امام جصاصؒ نے احکام القرآن میں مذکورہ بالا امر کی زیادہ وضاحت سے روشنی ڈالی ہے، وہ حدیث "ليس للقاتل من الميراث شيئ" (قاتل کو میراث میں سے کوئی چیز نہیں ملے گی)،اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں: فقہاء نے اس حدیث پر عمل کیا، اسے قبول کیا اس لیے اس حدیث نے تواتر کا درجہ پایا، جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "لا وصيةَ لوارثٍ" (وارث کے حق میں وصیت نہیں چلے گی۔اس کے حق میں کمی بیشی نہیں کی جا سکتی) اور جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے: "لا تنكح المرأة على عمتها ولا على خالتها" (کسی عورت کو اس کی پھوپھی اور خالہ کے ساتھ نکاح میں جمع نہیں کیا جا سکتا) اور "اذا اختلف البيّعان فالقول ماقاله البائع او يترادان" (خریدار اور بیچنے والے میں جب

[1] احکام القرآن ج:۱،ص:۳۷

اختلاف ہو جائے ،اس صورت میں بیچنے والے کی بات کا
اعتبار ہوگا یا سودا ہی نہ ہوگا)

اس جیسی حدیثیں جو حقیت میں خبر واحد ہیں،فقہاء کے یہاں معمول بہا ہونے کی وجہ سے تواتر کی حیثیت اختیار کر جاتی ہیں

وقال فی موضع آخر من" أحکام القرآن" بعد ذکر
حدیث الزکٰوۃ،"اَنھا لا تجب اِلابعد حولان
الحول"، وھذاالخبر فی الحول وان کان من اَخبار
الآحاد،فاِنَّ الفقہاء قد تلقّتہ بالقبول واستعملوہ
فصار فی حیّز التواتر الموجب للعلم[1]"

احکام القرآن میں زکوٰۃ کی حدیث کہ''زکوٰۃ سال گزرنے
کے بعد واجب ہوتی ہے'' کی تشریح میں کہا ہے کہ یہ حدیث
اگرچہ اخبار آحاد میں سے ہے لیکن فقہاء کے یہاں اسے قبول
حاصل ہے، یہ فقہاء کے یہاں تواتر کا مقام حاصل کرگئی ہے
اور یہ تواتر یقین استدلالی کا فائدہ دیتا ہے

یہی بات نامور فقیہ واصولی شیخ ابواسحاق شیرازی شافعیؒ(م:۴۷۶ھ) لکھتے ہیں:

''خبر الواحد الذی تلقتہ الأمّۃ بالقبول فیقطع
بصدقہ سواء عمل الکل بہ او عمل البعض
أوتأولہ البعض فھذہ الاخبار توجب العملَ ویقع
العلمَ بھا استدلالا

[1] احکام القرآن ج:۳،ص:۱۵۰

والثانی یوجب العملَ ولایوجب العلمَ، وذالک مثل الاخبار المرویة فی السُّنَنِ والصِّحاحِ وما أشبهها[۱] "

ایسی خبر واحد جسے امت میں قبول حاصل ہو اس کی سچائی یقینی قرار دی جاتی ہے، برابر ہے کہ سب فقہاء نے اس پر عمل کیا ہو یا بعض فقہاء نے یا بعض نے اس کی تاویل کی ہو[۲]

اس قسم کی روایتیں عمل کو ضروری قرار دیتی ہیں اور اس سے علم استدلالی حاصل ہوتا ہے

دوسری قسم کی روایتیں عمل کو ضروری قرار دیتی ہیں ان سے علم یقینی حاصل نہیں ہوتا علم ظنی حاصل ہوتا ہے ان کی مثال وہ روایتیں ہیں جو سنن وصحاح اور انہی جیسی کتابوں میں موجود ہیں

امام ابوحنیفہ ؒ کے اُصول ومأ خذ:

"(۳۱۶۳) حدثنا یحییٰ قال :حد ثنا عبید بن ابی قرة، قال: سمعت یحیی بن ضریس یقول: شهدت سفیان واتاه رجل، فقال: ماتنقم علی ابی حنیفة قال: وماله؟ قال: سمعته یقول آخذ بکتاب الله فمالم اجد، فبسنةِ رسول الله صلی الله علیه وآلہٖ وسلم فان لم اجد فی کتاب الله ولاسنة (رسوله) آخذ بقول اَصحابه، آخذ

---

۱ اللمع فی اصول الفقہ ص:۳۹، طبع: مصطفیٰ البابی الحلبی بمصر ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء

۲ امام طحاوی ؒ کی کتاب "شرح معانی الآثار" اس امر کی شاہد عدل ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فقہاء نے حدیث آثار کو کیسے سمجھا اور کیسے ثابت کیا

بقول من شئت منهم وادع قول من شئت، ولا اخرج من قولهم الى قول غيرهم، فاذا ما انتهى الامر اوجاء الامر الٰى ابراهيم والشعبى وابن سير بن والحسن، وعطاء، وسعيد بن المسيب وعدد رجالا، فقوم اجتهد وافأجتهدُ، كما اجتهدوا، قال: فسكت سفيان طويلا ثم قال كلمات برأيه ،مابقى احدٌ فى المجلس الاكتب: نسمع التشديد من الحديث فنخافه ونسمع اللين فنرجوه، لانحاسب الأحياء، ولانقضى على الاموات، نسلم ماسمعنا ونكل مالم نعلمه الى عالمه، ونتهم رأينا الٰى رأيهم[1]"

یحیی بن معین بسند متصل حافظ، فقیہ، قاضی الرائے امام اسحٰق ابن راہویہ اوراپنے اُستاذ یحیٰ بن ضریس کا بیان نقل فرماتے ہیں کہ میں حضرت سفیانؒ (۹۷-۱۶۱ھ) (موصوف امام ابوحنیفہؒ سے سترہ برس چھوٹے تھے) کی مجلس میں آیا، اسی اثناء ان کی خدمت میں ایک اور آدمی آیا، اس نے کہا کہ آپ امام ابوحنیفہؒ پر کیوں حرف گیری کرتے ہیں؟ حضرت سفیانؒ نے فرمایا وہ کیا بات کہتے ہیں (جو تم ان کا دفاع کرتے ہو؟) اس آدمی نے کہا کہ میں نے امام ابوحنیفہؒ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں کتاب اللہ سے دلیل پیش کرتا ہوں لیکن جو بات مجھے کتاب اللہ میں نہیں ملتی، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ

---

[1] یحیی بن معین وکتابہ التاریخ ج:۴،ص:۶۳، ۶۴ (رقم: ۳۱۶۳)

وسلم کے سنن وآثار میں جستجو کرتا ہوں، کتاب اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنن وآثار میں نہ ملے پھر میں صحابہؓ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُقوال میں سے (جو سنت کے زیادہ قریب ہوتا ہے لے لیتا ہوں) اور جس کا قول (سنت سے قریب نہیں ہوتا) چھوڑ دیتا ہوں اور صحابہؓ کے اُقوال کو چھوڑ کر کسی اور کا قول اختیار نہیں کرتا، اور جب (تابعین پر بات آجائے) جیسے ابراہیم، شعبی، ابن سیرین، حسن، عطاء، سعید ابن المسیب، تو انہیں نے چونکہ اجتہاد کیا پس میں (انہی کی طرح) اجتہاد کرتا ہوں جیسا کہ انہوں نے اجتہاد کیا (یعنی وہ اس کو قابل حجت سمجھتے ہیں) راوی کا بیان ہے کہ پھر حضرت سفیانؒ بہت دیر تک خاموش رہے، پھر کچھ باتیں کہیں، مجلس میں سے ہر کسی نے لکھیں "ہم حدیث میں کوئی وعید سنتے ہیں کانپ جاتے ہیں اور خوشخبری سنتے ہیں اس کی اُمید کرتے ہیں، ہم محاسبہ نہیں کرتے زندوں کا اور مردوں پر حکم نہیں لگاتے (یعنی وہ جنتی ہیں یا نہیں) جو ہم نے سنا اس کو تسلیم کرتے ہیں اور جو ہم نہیں جانتے اس کو اس کے جاننے والے کے سپرد کرتے ہیں اور ان کے مقابلے میں اپنی رائے کو متہم سمجھتے ہیں

اس سے معلوم ہوا کہ امام صاحب ابراہیم نخعی کے بھی پیرو نہیں ہیں جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے

حدیث واثر پر عمل:

چنانچہ نعیم بن عمرو کا بیان ہے:

"روی الموفّق في مناقبه عن نُعيم بن عمرو قال: سمعت ابا حنيفة رحمه الله يقول: عَجبًا للناس يقولون انى افتى بالرأى، ما أفتى الا بالأثر[1]"

امام موفق ؒ نے اپنی کتاب "مناقب" میں نعیم بن عمرو سے روایت کی، انہوں نے کہا کہ میں نے امام ابوحنیفہؒ سے سنا وہ فرماتے تھے لوگوں پر تعجب ہے کہ وہ کہتے ہیں میں اپنی رائے سے فتوی دیتا ہوں، حالانکہ میں فتوی نہیں دیتا مگر حدیث سے،

ابن ابی العوام نے بسند متصل عبدالوارث بن سعید سے نقل کیا ہے:

"میں مکہ میں آیا وہاں میں اَبوحنیفہ، ابن اَبی لیلیٰ اور ابن شبرمہ سے ملا تو میرے دل میں آیا کہ میں ایک مسئلہ ان سے ضرور پوچھوں گا، چنانچہ میں امام ابوحنیفہؒ کی خدمت میں حاضر ہوا، پوچھا کہ آپ اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے ساماں بیچا اور ایک شرط بھی لگائی؟ تو انہوں نے جواب دیا بیع باطل ہے یعنی شرط لگانے سے بیع باطل ہوگئی

میں نے وہی مسئلہ ابن اَبی لیلیٰ کے سامنے پیش کیا اور پوچھا: آپ اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ شرط باطل اور بیع درست ہے

---

[1] مناقب موفق ج:۱،ص:۷۷، ۸۷

میں اُبن شبرمہ کی خدمت میں پہنچا، اور میں نے ان کے سامنے بھی یہ مسئلہ رکھا، اوران کی رائے پوچھی؟، انہوں نے جواب دیا کہ شرط بھی جائزاور بیع بھی جائز ہے

میں لوٹ کرامام صاحبؒ کے پاس آیااور میں نے ان دونوں مجتہدوں کا جواب بھی بتایا(اورعرض کیا کہ مسئلہ ایک اور جواب تینوں کامختلف ہے؟) امام صاحب نے فرمایا: کہ ان کے بات کاان سے مأ خذاوردلیل پوچھو، میری دلیل عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده کی حدیث ہےاوروہ یہ ہے؛

" حدثني عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده : ان رسول الله صلى الله عليه و آله وسلم بعث عتاب بن أسيد ونهٰى عن بيع و شرط"

حضورصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عتاب رضی اللہ عنہ کو کہیں بھیجا، اورانہیں کہا''جس بیع میں شرط لگائی جائے وہ بیع درست نہیں'' (اس وجہ سے بیع بھی باطل اور شرط بھی باطل ہے، یعنی دونوں ناجائز)

پھرابن ابی لیلیٰ کے پاس آیا، اورانہوں نے اپنی دلیل یہ بیان کی

"عن عائشة ان رسول الله صلى الله عليه و آله وسلم امرها أن تشترى بريرة وتشترط لهم الولاء"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے فرمایا:''بریرہ باندی کوخریدواور ولاء کی شرط بھی لگادو'' (کہ

خریدنے والا اس کی میراث کا وارث بنے گا) بیع جائز اور
شرط باطل ہے (کہ بیچنے والا میراث کا وارث نہیں رہے گا)
پھر ابن شبرمہ کے پاس آیا، انہوں نے کہا کہ مجھ سے مسعر بن
کدام نے بسند متصل حضرت جابرؓ سے روایت کی ہے کہ
''حضرت جابرؓ فرماتے ہیں میں جس اونٹ پر سوار تھا وہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے خریدا، میں نے یہ شرط
لگائی کہ میں مدینہ تک اس پر سوار ہو کر جاؤں گا پھر دوں
گا'' (بیع بھی جائز اور شرط بھی جائز)

اس سے معلوم ہوا کہ اختلاف کی صورت میں ہر شخص اپنی دلیل پیش کرتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ امام صاحبؒ بغیر کسی حدیث اور اثر کے فتویٰ نہیں دیتے تھے

اُمت میں ائمہ فقہاء کا مقام:

یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ امت کے یہ فقہاء جن کا مذہب امام ترمذیؒ ''سنن الترمذی'' میں نقل کرتے ہیں ان کی عدالت امت میں مسلّم ہے، ان پر زبان کھولنا اور انہیں برا بھلا کہنا ہرگز روا نہیں

فقیہ امام ابو اسحاق شیرازیؒ لکھتے ہیں

''ان الراوی لا یخلو اما ان یکون معلوم العدالة
اومعلوم الفسق او مجهول الحال، فان كانت
عدالته معلومة كالصّحابة رضی اللّٰه عنهم، او
افاضل التابعین كالحَسَنِ وعطاء والشعبی
والنخعی واجلاء الأئمة كمَالكٍ وسفیان وابی

حنیفة والشافعی واحمد واسحاق ومن جری مجراهم وجب قبول خبره ولم یجب البحث عن عدالته[1]"

راوی دو حال سے خالی نہیں یا معلوم العدالۃ (ہر شخص اس کی عدالت کو جانتا ہوگا) یا اس کا فسق وفجور معلوم ہوگا یا وہ ایسا راوی ہوگا جس کا حال معلوم نہ ہوگا، جن کی عدالت ہر ایک کو معلوم ہے وہ صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں یا فاضل تابعین ہیں جیسے حسن بصریؒ، عطاءؒ، شعبیؒ، نخعیؒ اور جلیل القدر ائمہ جیسے امام مالکؒ، سفیان ثوریؒ، ابو حنیفہؒ، شافعیؒ، احمدؒ، اسحاقؒ اور جو ان کی راہ پر گامزن ہیں، ان کی روایت قبول کرنا ضروری ہے اور ان کی عدالت سے بحث غیر ضروری بات ہے (اور انہیں برا بھلا کہنا آخرت برباد کرنا ہے)

حافظ الذہبیؒ نے "میزان الاعتدال فی نقد الرجال" کے مقدمہ میں بھی اس امر کی توثیق کی ہے[2]

روایتِ فقہاء کی اہمیت امام مالکؒ کے یہاں:

امام مالکؒ کی سند میں سب فقہاء ہی ہوتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ ان کے فقہی مسائل کی بنیاد فقہاء کی روایت ہوتی ہے، وہ اکثر غیر فقیہ سے روایت نہیں لیتے ہیں بلکہ فقیہ اور فقہاء کی روایت قبول کرتے ہیں[3]

---

[1] اللمع فی اصول الفقہ ص:۴۱، طبع: مصطفیٰ البابی الحلبی بمصر ۱۲۵۸ھ/۱۹۳۹ء

[2] میزان الاعتدال ج:۱، ص:۲، تحقیق: علی محمد البجاوی ، [3] ما نأخذ الحدیث الا عن الفقهاء (الاسعاف المبطاء ص:۴) ترجمہ: ہم فقہاء کے سوا کسی اور سے حدیث نہیں لیتے ہیں

پس فرق اتنا ہے کہ وہ صحیح حدیث کے ہوتے ہوئے اہل مدینہ کے تعامل کو قابل ترجیح سمجھتے ہیں

امام مالکؒ "المؤطا" میں فرماتے ہیں:

"وهذا الذی ادرکت علیه الناس واهل العلم ببلادنا[1]"

یہ سب وہ عمل ہے جس پر میں نے شہر کے اہل علم اور عام لوگوں کو عمل کرتے پایا

اور کہیں فرماتے ہیں:

"ادرکت الناس علیه[2]"

میں نے اس پر لوگوں کو عمل کرتے دیکھا ہے

اور کہیں کہتے ہیں:

"هذا الامر المجتمع علیه عندنا[3]"

یہ وہ بات ہے جس پر ہمارے یہاں سب کا اتفاق ہے

کہیں لکھتے ہیں:

"هذا الامر الذی لا اختلاف فیه عندنا[4]"

یہ وہ بات ہے جس میں ہمارے یہاں کوئی اختلاف نہیں

کہیں لکھتے ہیں:

"لم یزل اهل العلم ببلادنا[5]"

اس پر شہر کے اہل علم کو برابر عمل کرتے پایا

---

[1] مؤطا امام مالکؒ ج:۱،ص:۳۲ ، [2] ایضاً ج:۱،ص:۱۰۹ ، [3] ایضاً ج:۱،ص:۵۴،

[4] ایضاً ج:۱،ص:۱۴۸ ، [5] ایضاً ج:۱،ص:۹۰،ج:۲،ص:۱۴۲

سنت عمری عموم قرآن پر عمل:

ابن حزم نے ''الاحکام[1]'' میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے بسندِ متصل ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ان کے گورنر نے انہیں لکھا کہ ''ایلہ[2]'' میں ایک غلام نے چوری کی، اہلِ مدینہ کا تعامل یہ ہے کہ وہ چوری میں غلام کا ہاتھ نہیں کاٹتے بلکہ آزاد چوری کرتا ہے تو اس کا ہاتھ کاٹتے ہیں، آپ فرمائیں کہ کیا کریں؟

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے لکھا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **السّارق والسّارقة فاقطعوا ایدیهما** (المائدۃ آیت: ۳۸)

اس میں آزاد و غلام کا فرق نہیں کیا گیا کیونکہ عموم قرآن میں دونوں داخل ہیں، اس لیے اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

ابن حزم اس پر یہ لکھتے ہیں:

''فهٰذا عمر بن عبدالعزیز لم یلتفت الی عمل اهل الحجاز وأخذ عموم القرآن وهو الذی لا یجوز خلافه''

یہ عمر بن عبدالعزیزؒ ہیں جنہوں نے اہلِ حجاز کے عمل کی طرف التفات نہیں کیا (عمل نہیں کیا)، اور عمومِ قرآن پر عمل کرتے تھے اور یہ ایسی بات ہے جس سے اختلاف جائز نہیں

اس سے معلوم ہوا کہ سنت عمری عمومِ قرآن پر عمل کرنا ہے۔

المؤطا کی تالیف واس کا قبول عام:

''المؤطا'' کی تالیف خلیفہ ابو جعفر منصور (۹۵ - ۱۵۸ھ/

---

[1] الاحکام فی اصول الاحکام ج:۲، ص:۱۳۳، ۱۳۴، طبع: مطبعۃ النعمہ ۱۳۴۶ھ ، [2] ایلہ: بحر قلزم کے کنارے اور شام سے متصل ایک شہر ہے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ حجاز کی آخری سرحد ہے، یہیں سے شام کی سرحد شروع ہوتی ہے (مراصد الاطلاع ص:۱۳۸، مادۃ (الهمزۃ والیاء)، طبع: دار المعرفۃ لبنان الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۷۳ھ

۱۴۷-۵۷۷۵ء) کے آخری زمانے میں انجام کو پہنچی، اور قبولِ عام خلافت ہارون الرشید میں حاصل ہوا۔ چنانچہ مؤرخ اسلام حافظ شمس الدین الذھبی (م:۷۴۸ھ) سیر اعلام النبلاء میں لکھتے ہیں:

"وقصده طلبة العلم من الآفاق فی آخر دولة أبی جعفر المنصور وما بعد ذلک واز دحموا علیه فی خلافة الرشید و الیٰ أن مات[۱]"

خلیفہ ابو جعفر منصور عباسی کی فرمانروائی کے آخری زمانے میں اور اس کے بعد طلبہ نے اطراف عالم سے تحصیل علم کے لیے امام مالک کی طرف رخ کیا، اور ہارون الرشید کے دورِ خلافت میں طلبہ ان پر ٹوٹ پڑے یہاں تک کہ ان کا انتقال ہوگیا

مذکورۂ بالا اقتباس سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ "المؤطا" کی تالیف بھی خلیفہ ابو جعفر منصور کے آخری ایام میں شروع ہوئی اس لیے کہ ہمیں راویانِ المؤطا میں کوئی ایسا راوی نہیں ملتا جس نے تصریح کی ہو کہ میں نے ۱۵۸ھ سے پہلے "المؤطا" امام مالکؒ سے پڑھی ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ عبدالفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ نے اس باب میں جو کچھ لکھا ہے وہ سب قیاس پر مبنی ہے کوئی ایسی دلیل پیش نہیں کی جس سے معلوم ہو کہ "المؤطا" ۱۵۰ھ سے پہلے کی تالیف ہے بلکہ اس عصر کے دو محقق شیخ محمد زاہد کوثریؒ اور میرے بڑے بھائی محقق عصر مولانا عبدالرشید نعمانیؒ کی بات مذکورہ بالا اقتباس کی روشنی میں جو ان کے پیش نظر نہیں، درست ہے۔

۱: اعلام النبلاء ج:۸،ص:۵۵،تذکرہ امام مالکؒ

امام محمد رحمہ اللہ کی تدریسی و تصنیفی خدمات کا مروّجہ فقہی مذاہب پر اثر:

امام محمد رحمہ اللہ کی تدریسی و تصنیفی خدمات کا دائرہ ایشیا تک محدود نہ تھا بلکہ اس سے افریقہ و دیارِ مغرب کو بھی فیض یابی کا موقع ملا اور ان سے اسلامی قلم رو میں عظیم علمی انقلاب رونما ہوا۔

شافعی مذہب:

شافعی مذہب افریقہ میں ان کے شاگرد الامام الشافعی کی بدولت معرض وجود میں آیا، پنپا اور پروان چڑھا، امام شافعیؒ فرماتے تھے

"اَمَنُّ النّاس علیَّ فِی الفقہ محمد بن الحسن[1]"

مجھ پر لوگوں میں سب سے زیادہ احسان فقہ میں محمد بن الحسن الشیبانی کا ہے

امام شافعی کی مجتہدانہ بصیرت سے سرزمین مصر کو (۱۹۸ھ/۸۱۳ء) میں یہ فخر حاصل ہوا کہ وہاں اہلسنت والجماعت کے چار مشہور مذاہب میں سے تاریخی اعتبار سے تیسرا مذہب، مذہب شافعی پہلے افریقہ میں پروان چڑھا، پھر دوسرے مذاہب کی طرح اسلامی دنیا (ایشیا) میں پھلا پھولا، چنانچہ تاج الدین سبکیؒ (م:۷۷۱ھ) شافعیہ کی علمی راجدھانیوں مصر، شام، بغداد، خراسان، یمن کی نشاندہی کرنے کے بعد ان کے بلاد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"مشرق میں اختلاف اقالیم اور وسعت بلاد کے باوجود دوسرے شہروں میں جیسے سمرقند، بخارا، شیراز، جرجان، رے، اصفہان، طوس، ساوہ، ہمدان، دامغان، زنجان

---

۱ تاریخ بغداد ج:۲، ص:۱۷۶

بسطام، تبریز، بیہق، میمنہ، استراباد وغیرہ شہر جو اقالیم ماوراء النہر میں داخل ہیں خراسان ، آذربائیجان، مازندران، خوارزم، غزنہ، صحاب، غور، کرمان سے بلاد ہند تک اور تمام ماوراء النہر سے چین کے اطراف تک، عراقِ عجم و عراقِ عرب وغیرہ میں ایسے شہر آباد تھے جنہیں دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی رہتی اور دل باغ باغ ہوتے تھے لیکن افسوس تاتاریوں نے انہیں تباہ کر دیا

ثم انقضت تلک البلاد واھلھا فکانھا و کانھم احلام[1]

پھر یہ شہر اور اہل شہر ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گئے گویا وہ شہر اور ان کے مکین سب خواب ہو گئے

مالکی مذہب:

امام محمد رحمہ اللہ کے دوسرے نامور شاگرد علامہ قاضی اسد بن الفرات بن سنان الحرانی ثم القیروانی (۱۴۲-۲۱۳ھ/ ۷۵۹-۸۲۸ء) ہیں جن کے تذکرہ کا آغاز مؤرخ اسلام علامہ شمس الدین الذہبی (م: ۷۴۸ھ) نے ان الفاظ میں کیا ہے:

"الامام، العلامة، القاضی، الامیر، مقدم المجاھدین ابو عبد اللہ الحرانی ثم القیروانی[2]"

موصوف ۱۷۲ھ میں قیروان سے نکلے[3]، امام مالک رحمہ اللہ سے اس سال المؤطا کا سماع کیا[4]، یہ دیار مغرب سے آئے تھے اس لیے امام مالک ان پر بہت مہربان تھے، موصوف نے جب فرضی مسائل (آیندہ پیش آنے والے

---

[1] عبدالوہاب السبکی، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ تحقیق محمود محمد الطناحی عبد الفتاح محمد الحلو مصر، عیسیٰ البابی الحلبی، ب، ت، ج ۱ ص ۳۲۷، ۳۲۸، [2] سیر اعلام النبلاء ج: ۱۰، ص: ۲۲۵ ، [3] بلوغ الامانی ص: ۱۴ [4] سیر اعلام النبلاء ج: ۱۰، ص۔ ۲۲۵

مسائل) کے متعلق سوالات کیے امام مالک نے فرمایا تم عراق جاؤ[1]، ان کا دل ٹوٹا مگر امام مالک کو کیا معلوم تھا کہ یہ سائل ان کے مذہب کو عالم اسلامی میں پروان چڑھانے کا اصل محرک ثابت ہوگا (جیسا کہ آگے آتا ہے) یہ عراق آئے، یہاں امام ابو یوسف، حافظ وفقیہ یحییٰ بن ابی زائدہ کوفی (۱۱۹ - ۱۸۲ھ/ ۷۳۷-۷۹۸ء) سے پڑھا[2] اور امام محمدؒ سے سب سے زیادہ استفادہ کیا[3]، ان پر رائے وقیاس کا زیادہ غلبہ ہوگیا[4]، اس لیے موصوف نے فقہی مسائل میں امام ابوحنیفہؒ کی کتابیں نقل کیں[5] اور ۱۷۹ھ/ ۷۹۵ء میں جب امام مالکؒ کی وفات کی خبر ملی بغداد سے مدینہ آئے، مختصر قیام کے بعد مصر کا رخ کیا، یہاں امام مالکؒ کے بڑے شاگرد موجود تھے، چنانچہ پہلے امام ومفتی عبد اللہ بن وہب مصریؒ (۱۲۵-۱۹۷ھ/ ۷۴۳-۸۱۳ء) جو چوبیس برس امام مالک رحمہ اللہ کی صحبت میں رہے تھے[6] سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی کتابوں میں مذکورہ مسائل کے متعلق امام مالک رحمہ اللہ کی رائے فتوے معلوم کیے موصوف نہایت پرہیزگار بزرگ تھے انہوں نے رائے دینے سے معذرت کی[7]، پھر امام مالکؒ کے دوسرے ممتاز شاگرد عبدالرحمٰن بن القاسم المصری (۱۳۲-۱۹۱ھ/ ۷۵۰-۸۰۶ء) کے سامنے اپنا مقصد پیش کیا انہیں جو زبانی یاد تھا بتایا اور جن مسائل میں تردد اور شک تھا ان کے متعلق ''اخال'' (میرا خیال ہے) ''احسب'' (میں سمجھتا ہوں) ''اظن'' (میرا گمان اور میری رائے ہے) کے الفاظ سے اظہار خیال کیا[8]، اسد بن الفرات جو مسائل ان سے پوچھتے تھے وہ تین سو چمڑوں کے ٹکڑوں میں ان کے

---

۱ بلوغ الامانی ص:۱۴ ، ۲ الذہبی ج:۱،ص:۲۲۵ ، ۳ بلوغ الامانی ص:۱۵ ، ۴ سیر اعلام النبلاء ج:۱۰،ص:۲۲۵ ، ۵ ایضاً ، ۶ ایضاً ، ۷ ایضاً ج:۱۰،ص:۲۲۶ ، ۸ طبقات الفقہاء ص:۱۳۲

پاس محفوظ تھے[1] اس مجموعہ کا نام ''المسائل الاسدیۃ[2] '' ہے

موصوف جب قیروان پہنچے اس کو پڑھایا، اخذوا عنہ وتفقھوا بہ[3]
لوگوں نے ان سے علم حاصل کیا اور فقہ میں بصیرت پیدا کی، خوب پذیرائی ہوئی،
ابو اسحاق الشیرازی لکھتے ہیں، ان کتابوں کی بدولت انہیں علمی فرمانروائی ملی[4] (قضاء کا عہدہ ملا)

عبدالسلام بن سعید التنوخی المعروف سحنون (۱۶۰-۱۸۸ھ/ ۷۷۷-۸۵۴ء) نے موصوف سے پڑھا[5]، اسد بن الفرات کے چھ برس کے بعد (۱۸۸ھ/۸۰۴ء) میں سحنون مصر آئے، امام عبدالرحمٰن بن القاسم العتکی سے ''الاسدیۃ'' کے مسائل میں مذاکرہ کیا، اس وقت ابن القاسم نے کہا: ''ان میں بعض ایسی باتیں ہیں جن میں تبدیلی ناگزیر ہے اور ان کا جواب اسد بن الفرات کو بھی لکھا، ''تم اپنی کتابوں کا سحنون کی کتابوں سے مقابلہ کرو'' لیکن اسد نے ایسا نہیں کیا جس سے انہیں دکھ ہوا[6]

سحنون کے اس اصلاحی اور مقابلہ واضافہ کیے ہوئے ''نسخۃ الاسدیہ لابن الفرات'' کا دوسرا نام ''المدونۃ الکبریٰ'' ہے یہ ''الاسدیہ'' کا نقش ثانی ہے جسے سحنون (۱۹۱ھ/ ۸۰۶ء) میں قیروان لائے، یہی کتاب عالمِ اسلامی میں مقبول ومشہور ہے، چنانچہ علامہ شمس الدین الذھبی ''سیر اعلام النبلاء'' میں رقم طراز ہیں:

''اصل المدونۃ المسئلۃ سالھا اسد بن الفرات

---

[1] الانتقاء ص: ۵۰، ۵۱ و سیر اعلام النبلاء ج: ۱۰، ص: ۲۶۶ ، [2] ایضاً ص: ۲۲۶ [3] ایضاً
[4] طبقات الفقہاء، ص: ۱۳۲ [5] سیر اعلام النبلاء، ج: ۱۰، ص: ۱۲۶، عبدالرحمٰن بن خلدون المغربی: تاریخ ابن خلدون (المقدمہ) بیروت: دار الکتاب اللبنانی ۱۹۵۶ء، ص: ۸۱۱، ۸۱۲ ، [6] ایضاً، ج: ۱۰، ص: ۶۲۲، ۲۳۵

لا بن قاسم[1]"

"المدونۃ الکبریٰ کی اصل وہ سوالات ہیں جو اسد بن الفرات نے ابن القاسم سے کیے تھے

امام ابن تیمیہؒ کو بھی اس امر کا اعتراف ہے کہ "المدونہ" میں فقہاءِ اہل عراق کی تفریعات سے پورا فائدہ اٹھایا ہے، اس لیے اس میں اہل عراق کے اصول کی جھلکیاں نمایاں ہیں، موصوف فرماتے ہیں:

"یہ بات ہر پڑھے لکھے کو معلوم ہے کہ "مدونہ لابن القاسم" کی اصل و بنیاد "مسائل اسد بن الفرات" ہیں جن کی تفریع فقہاء اہل عراق نے کی ہے، ان مسائل کے متعلق اسد نے ابن القاسم رحمہ اللہ سے جواب پوچھے چنانچہ "مسائل اسدیہ" کی اصل سحنون کی روایت میں موجود ہے، موصوف کے پاس امام مالک رحمہ اللہ سے منقول جواب تھے، وہ بتائے اور کبھی اس نے امام مالک کے قول پر قیاس کرکے جواب دیا، اس لیے ابن القاسم کے کلام میں قابل ذکر تعداد اُن اقوال کی ہے جن میں ان کا میلان اہل عراق کی طرف نمایاں ہے اور وہ اہل مدینہ کے اصول کے مطابق نہیں[2]"

مذکورہ بالا تاریخی حقائق سے معلوم ہوا کہ "المدونۃ" جو تیس ہزار جزئیات مسائل پر مشتمل ہے[3]، اس کی تدوین حنفی فقہ کے زیر اثر عمل میں آئی

---

[1] سیر اعلام النبلاء، ج:۱۲، ص:۶۸ ، [2] مجموع فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ، ج:۲، ص:۳۲۷

[3] الانساب، ج:۱، ص:۱۶۷ "الاقریقی"

ہے اور اسے آج اسلامی دنیا میں ''المدونۃ الکبریٰ'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، یہ دراصل امام محمدؒ کے شاگرد اسد بن الفرات کی مساعی جمیلہ کا ثمرہ ہے۔ جس نے قسطہ کے محاذ پر میدان کارزار میں سورۂ یٰسین پڑھتے ہوئے جام شہادت نوش کیا، یہاں اس کا مزار اور مسجد ہے[1]

حنبلی مذہب:

امتِ مسلمہ کے چار فقہی مذاہب میں سے چوتھے فقہی مذہب کے مقتدا و پیشوا، مجتہد مستقل امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ بھی امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ کے شاگرد تھے اور امام محمد سے تین قمطر (بورے) لکھے تھے، ان کا بھی کبھی مطالعہ بھی کرتے تھے، چنانچہ مؤرخ خطیب بغدادی (م: ۴۶۲ھ) ''تاریخ بغداد'' میں بسند متصل روایت کرتے ہیں:

''حدثنی الصوری اخبرنی عبدالغنی بن سعید، اخبرنا ابو طاھر محمدبن احمد بن عبداللّٰہ بن نصر، حدثنی ابراھیم بن جابر، حدثنی عبداللّٰہ بن احمد بن حنبل قال: کتب أبی عن أبی یوسف ومحمدثلاثة قماطر فقلت له کان ینظر فیھا قال کان ربما نظر فیھا وکان اکثر نظرہ فی کتب الواقدی[2]''

''مجھ سے الصوری نے بیان کیا (وہ کہتے ہیں) مجھے عبدالغنی

---

[1] طبقات الفقہاء، ص: ۱۳۲، [2] تاریخ بغداد، ج: ۳، ص: ۱۵ ''ترجمہ محمد بن عمر الواقدی

بن سعید نے بتایا کہ ہم سے ابو طاہر محمد بن احمد بن عبد اللہ بن نصر نے کہا کہ مجھ سے عبد اللہ نے بیان کیا کہ ان کے والد حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے امام ابو یوسف ؒ اور امام محمد ؒ سے علم کے تین بورے لکھے تھے، میں نے ان سے پوچھا وہ ان میں غور کرتے تھے؟ فرمایا گاہ بگاہ ان کا مطالعہ کرتے تھے، زیادہ واقدی کی کتابیں پڑھتے تھے

اس سے معلوم ہوا کہ امام محمد رحمہ اللہ کے جس طرح امام شافعی ؒ شاگرد تھے، اس طرح امام احمد ؒ بھی ان کے شاگردوں میں تھے جو ان سے لکھے ہوئے نوشتوں سے فائدہ اٹھاتے رہتے تھے، یہی وجہ ہے کہ فقہ میں ان کے مختلف اقوال میں کوئی ایک قول حنفیہ سے اکثر مطابقت رکھتا ہے۔

مذکورۂ بالا سند کے تمام مشہور و معروف راوی معتبر و ثقہ ہیں، اول الذکر دو راوی حافظ ہیں[1]

غرض امام احمد بن حنبل نے بھی دقت نظر اور فقہی بصیرت کا ملکہ امام محمد ؒ کی تصنیفات و تالیفات سے سیکھا، چنانچہ امام ابراہیم بن اسحاق الحربی (م: ۲۸۵ھ) کا بیان ہے:

> "میں نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے پوچھا یہ دقیق مسائل آپ نے کہاں سے سیکھے؟ فرمایا: محمد بن الحسن کی کتابوں کا فیضان ہے[2]"

---

[1] کتاب الکسب للامام محمد الشیبانی تحقیق عبد الفتاح ابو غدہ، حلب، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، ۱۴۱۷ھ "الامام محمد داثرہ فی الفقہ الاسلامی، ص: ۳۳، ۳۴ [2] تاریخ بغداد ج: ۲، ص: ۱۷۷

ذرا غور فرمائیں: اسلامی دنیا کا نامور محدث وحافظِ حدیث، مجتہدِ وقت امام محمد رحمہ اللہ کی فقہی خدمات کا برملا اعتراف کر رہا ہے۔

مذہب حنفی کا قبول عام:

اس زمانے میں فقہ حنفی کی عالمی قبولیت کا اندازہ امام سفیان بن عیینہ (م: ۱۰۷۔۱۹۸ھ/ ۷۲۵- ۸۱۴ء) کے اس قول سے کیا جاسکتا ہے، وہ فرماتے تھے:

> ''میرے گمان میں بھی نہ تھا کہ یہ دو چیزیں (۱) حمزہ کی قراءت اور (۲) ابو حنیفہؒ کی رائے وفقہ کوفہ کے پل پار اُتر سکیں گی لیکن یہ تو ساری (اسلامی) دنیا میں پھیل گئیں اور مقبول ہوگئیں[۱]

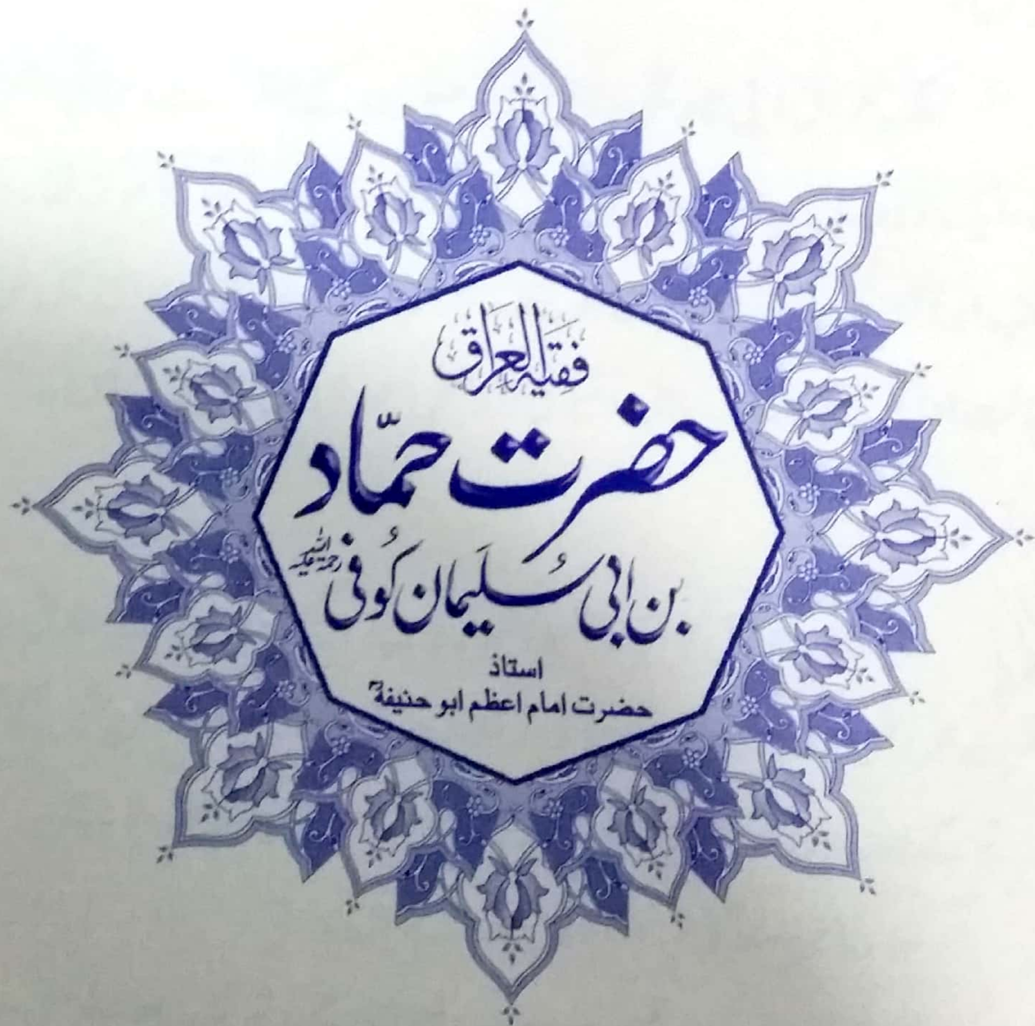
یہ امام محمد رحمہ اللہ کی تدریسی وتصنیفی خدمات کا ناقابلِ فراموش ثمرہ ونتیجہ ہے جن کے اثرات شافعی، مالکی اور حنبلی مذہب پر روز روشن کی طرح ظاہر وباہر ہیں اور اسلامی تاریخ کے صفحات آج بھی مذکورہ بالا امور پر شاہد عدل ہیں۔

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

محمد عبد الحلیم چشتی

خادم شعبہ تخصص فی علوم الحدیث
جامعہ علوم اسلامیہ، بنوری ٹاؤن کراچی
۲۱ شعبان المعظم ۱۴۲۹ھ
وارد حال لاہور، خانقاہ سیّد احمد شہیدؒ

۱؎ مناقب الامام أبی حنیفہ ص: ۲۰


فقیہ العراق
حضرت حمّاد
بن ابی سلیمان کوفی رحمۃ اللہ علیہ
استاذ
حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عراق:

ملکِ عراق اپنی تاریخی وجغرافیائی حیثیت کے اعتبار سے انتہائی اہم ملک ہے، ایک دَور میں یہ حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت وتبلیغ کا مرکز تھا۔ یہیں جناب ابراہیم علیہ السلام مبعوث ہوئے۔ جناب یونس علیہ السلام اسی میں فریضۂ رسالت ادا کرتے رہے۔ بابل ونینویٰ اور جبلِ جودی اسی میں واقع ہیں۔

کوفہ:

اسی ملکِ عراق کا ایک مشہور شہر کوفہ ہے، صحیح روایات کے مطابق یہ شہر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دَورِ خلافت میں آباد کیا تھا، اس شہر کے آباد ہونے کے بعد بڑی تعداد میں جلیل القدر صحابۂ کرام یہاں تشریف لائے۔

علامہ ابن سعدؒ (م: ۲۳۰ھ) فرماتے ہیں:

”ستر بدری اور تین سو بیعتِ رضوان میں شریک ہونے والے صحابۂ کرام کوفہ میں تشریف فرما ہوئے تھے[۱]“

حافظ ابو بشر دولابی حنفیؒ (م: ۳۱۰ھ) حضرت قتادہؒ سے جن کا شمار تابعین میں ہے بسند ناقل ہیں

---

۱ طبقات ابن سعد ج: ۶، ص: ۴

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابہؓ میں سے ایک
ہزار پچاس اَفراد اور چوبیس وہ بزرگ جو غزوۂ بدر میں آپ
کے ہمرکاب رہے تھے کوفہ میں آکر فروکش ہُوئے تھے[1]''

امام ابوالحسن احمد بن عبداللہ عجلیؒ (م ۲۶۱ھ) فرماتے ہیں کہ
''کوفہ میں ڈیڑھ ہزار صحابہ کرام آکر اُترے[2]''

علامہ زاہد الکوثری رحمہ اللہ (م: ۱۳۷۱ھ) نے ''نصب الرایہ لاحادیث الہدایہ'' میں کوفہ کا تعارف کروایا ہے معمولی تصرف کے ساتھ نذرِ قارئین کیا جاتا ہے
علامہ موصوف رقمطراز ہیں:

''فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دَورِ خلافت میں جب حضرت
سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے عراق کو فتح کیا تو فاروق
اعظمؓ نے کوفہ کی تعمیر کا حکم دیا چنانچہ ۱۷ھ میں کوفہ تعمیر کیا گیا،
اِس کے اَطراف وجوانب میں فصحائے عرب آباد کیے گئے
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہلِ کوفہ کو قرآن پاک اور مسائلِ
دینیہ کی تعلیم کے لیے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو
کوفہ بھیجا، آپ نے اَہلِ کوفہ کو مخاطب کرکے فرمایا ''فَقَدْ
آثَرْتُكُمْ بِعَبْدِ اللهِ عَلىٰ نَفْسِي'' ابن مسعودؓ کی مجھے یہاں
ضرورت تھی، لیکن تمہاری ضرورت کو مقدم سمجھتے ہوئے اُن کو
بھیج رہا ہوں، اس سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی صحابہ
کرام کے درمیان جو قدر ومنزلت ہے وہ ظاہر ہے، کیونکہ

[1] کتاب الکنٰی والاسماء ج: ۱، ص: ۱۷۴ ، [2] فتح القدیر از امام ابن ہمام ج: ۱، ص: ۹۱ طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

اِس سے معلوم ہورہا ہے کہ حضرت عمرؓ جیسی شخصیت بھی آپ کی علمی فقاہت اور بیدار مغزی سے بے نیاز نہیں تھی، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، بناءِ کوفہ سے لے کر حضرت عثمانؓ کی خلافت کے آخری دَور تک اَہلِ کوفہ کو قرآن پاک اور مسائلِ فقہیہ کی تعلیم دینے میں مشغول رہے یہاں تک کہ کوفہ قراء اور فقہاءِ محدثین سے بھر گیا، آپ کی اس جدّ وجہد اور کوشش کا یہ نتیجہ ہوا کہ بقول بعض ثقہ علماء کے اس شہر میں چار ہزار عُلماء پیدا ہوگئے، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے ساتھ اس کارِ خیر میں متعدد جلیل القدر صحابہ کرام مثلاً حضرت سعد بن ابی وقاص، حذیفہ بن یمان، عمار بن یاسر، سلمان فارسی، ابو موسیٰ اَشعری رضی اللہ عنہم بھی شریک رہے۔ حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ جب کوفہ منتقل ہوئے تو اس شہر کے فقہاء کی کثرت کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا ''رَحِمَ اللّٰہُ ابْنَ اُمِّ عَبْدٍ قَدْ مَلَأَ هٰذِهِ الْقَرْيَةَ عِلْمًا'' اللہ تعالیٰ ابنِ مسعودؓ کا بھلا کرے اُنہوں نے اس شہر کو علم سے بھر دیا (ابو بکر عتیق بن داؤدیمانی کا کہنا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی وفات کے بعد حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ کا کوفہ میں ورود ہوا یہ وہ زمانہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تلامذہ وہاں پر لوگوں کو فقیہ بنانے میں مصروف تھے، جنابِ امیر نے مسجدِ کوفہ میں آکر دیکھا تو چار سو کے قریب دواتیں رکھی ہوئی تھیں اور طلباء

کتابتِ علم میں مصروف تھے۔ یہ دیکھ کر آپ نے ارشاد فرمایا ''لَقَدْ تَرَکَ ابْنُ اُمِّ عَبْدٍ یَعْنِی ابْنَ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ هٰؤُلَاءِ سُرُجَ الْكُوْفَةِ '' بلاشبہ ابنِ اُمِّ عبد یعنی ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو کوفہ کے علمی چراغ بنا کر چھوڑا ہے) باب مدینۃ العلم یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی علم کی طرف توجہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے کسی طرح بھی کم نہیں تھی۔ لہٰذا آپ بھی اہلِ کوفہ کی تعلیم و تربیت میں لگ گئے اور اس طرح کوفہ کا یہ حال ہو گیا کہ فقہاء و محدّثین نیز قُرّاء واُدَباء کی کثرت میں اسلامی شہروں میں سے کوئی شہر بھی کوفہ کے پایہ کا نہ رہا...... ہم یہاں حضرت علی وحضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے چند شاگردوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔

☆ اسی کوفہ میں عبیدہ بن قیس سلمانیؒ (م: ۷۲ھ) رہتے تھے یہ ایسی ہستی ہیں کہ اگر قاضی شریحؒ جیسی شخصیت کو کسی فیصلے میں دُشواری پیش آتی تو باوجود کمالِ علمی کے عبیدہؒ سے مشورہ کرتے تھے

☆ اسی شہر میں عمرو بن میمون اَوْدِیؒ (م: ۷۴ھ) رہتے تھے آپ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے قدیم شاگردوں میں سے تھے سو مرتبہ حج وعمرہ کی سعادت سے مشرف ہو چکے تھے

☆ یہیں ابو عبد الرحمٰن عبد اللہ بن حبیب سُلَمیؒ (م: ۷۴ھ) رہتے تھے، آپ نے حضرت عثمان، حضرت علی اور زید بن

ثابت رضی اللہ عنہم سے قراءت حاصل کی تھی آپ نے اہلِ کوفہ کو تعلیمِ قرآن سے بہرہ ور کرنے کے لیے اپنے آپ کو دُنیوی کاموں سے فارغ کرلیا تھا اور مسلسل چالیس سال تک جامع مسجد کوفہ میں تعلیمِ قرآن دیتے رہے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دونوں صاحبزادوں حسن وحسین رضی اللہ عنہما نے آپ ہی سے قراءت سیکھی تھی۔

☆ اسی شہر کوفہ میں سوید بن غَفَلَہؒ (م: ۸۲ھ) رہتے تھے، آپ عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم کی زیارت سے مشرف تھے۔

☆ حضرت علقمہ بن قیسؒ (م: ۶۲ھ) کا قیام بھی اسی شہر میں تھا، آپ حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابودرداء، حضرت عمر، حضرت زید اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ آپ کے بارے میں فرماتے ہیں ''جس چیز کا مجھے علم ہے اُس چیز کا علقمہ کو بھی علم ہے۔'' محدث رامَہُر مُزی نے اپنی کتاب ''المحدث الفاصل'' میں قابوس بن ظبیان سے نقل کرتے ہُوئے لکھا ہے کہ میں نے اپنے والد سے دریافت کیا کہ یہ کیا بات ہے کہ آپ اصحابِ رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کو چھوڑ کر علقمہ کے پاس جایا کرتے ہیں؟ فرمایا جانِ پدر میں خود اُن کے پاس جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کو مسائل دریافت کرنے کے لیے آتے جاتے دیکھتا ہوں۔

☆ یہیں مسروق بن الاجدع (م:٦٣ھ) کا قیام تھا۔

☆ اسی شہر میں اُسود بن یزیدؒ (م:٧٤ھ) رہتے تھے، آپ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابوموسیٰ اَشعری، حضرت حذیفہ بن یمان، حضرت بلال بن رباح، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم جیسے کبار صحابہ کرام کے شاگرد تھے، اَسّی مرتبہ حج وعمرہ کی سعادت سے مشرف ہوئے تھے۔

☆ قاضی شریحؒ (م:٨٠ھ) یہاں کے مشہور قاضی رہ چکے ہیں، آپ دورِ فاروقی میں عہدۂ قضاء پر فائز ہوئے ہیں اور حجاج بن یُوسف کے زمانے تک مسلسل ٦٢ برس قاضی رہے ہیں، آپ ہی وہ شخصیت ہیں جن کے بارے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے تھے قُمْ یَا شُرَیْحُ فَاَنْتَ اَقْضَی الْعَرَبِ شریح اُٹھو اور فیصلہ کرو کیونکہ تم عرب میں سب سے بڑھ کر قاضی ہو۔

☆ اسی شہر میں عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ (م:٨٣ھ) رہا کرتے تھے، آپ ایک سو بیس صحابہ کرام کی زیارت سے مشرف تھے۔

☆ سعید بن جبیرؓ (م:٩٥ھ) یہاں ایسے تھے کہ جب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کوفہ کا کوئی آدمی مسئلہ دریافت کرتا تو فرماتے "کیا تمہارے یہاں سعید بن جبیر نہ تھے جو یہاں دریافت کرنے آئے۔"

☆اسی کوفہ کے رہنے والے حضرت ابراہیم بن یزید نخعیؒ (م:۹۵ھ) بھی تھے آپ حضرت عائشہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما کی زیارت سے مشرف تھے، اپنے بچپن میں حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے، (اگر کوئی حضرت سعید بن جبیرؒ سے مسئلہ پوچھتا تو فرماتے تم مجھ سے مسئلہ پوچھتے ہو، حالانکہ ابراہیم نخعی جیسے صاحب علم تم میں موجود ہیں)

☆اسی کوفہ میں مشہور تابعی امام شعبیؒ رہتے تھے (آپ پانچ سو صحابہ کرام کی زیارت سے مشرف تھے) آپ جب مغازی بیان کررہے ہوتے تو آپ کو دیکھ کر حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ''باوجودیکہ ہم غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہے، لیکن اِن مغازی کی یادداشت جتنی ان کو ہے ہم کو نہیں۔''

☆اس دَور کے بعد ان حضرات کے شاگردوں کا زمانہ آتا ہے، ان کی تعداد بھی ہزاروں سے متجاوز تھی، ابوبکر جصاصؒ کہتے ہیں کہ ''دیرِ جماجم'' میں حجاج سے جنگ کرنے کے لیے تنہا عبدالرحمٰن بن اشعث کے ساتھ چار ہزار کی تعداد میں جلیل القدر قراء فقہاء تابعین تھے...... ابو محمد رامہرمزی ''المحدث الفاصل'' میں علامہ ابن سیرینؒ سے روایت کرتے ہیں کہ جب میں کوفہ پہنچا تو اس وقت وہاں چار ہزار

محدثین اور چار سو فقہاء موجود تھے۔ عفان بن مسلم ؒ (امام بخاری ؒ کے استاذ) سے روایت ہے کہ جب ہم کوفہ پہنچے تو وہاں ہم نے چار ماہ قیام کیا، حدیث کا وہاں اس قدر چرچا تھا کہ اگر ہم حدیثیں لکھنا چاہتے تو ایک لاکھ حدیثیں لکھ سکتے تھے، لیکن ہم نے صرف پچاس ہزار پر اکتفاء کیا۔ پھر کسی سے اِملا کے علاوہ راضی نہیں ہوئے سوائے شریک ؒ کے کہ اُنہوں نے ہم سے اِنکار کر دیا، اور ہم نے کوفہ میں کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جو عربیت میں غلطی کرے اور اس کو رَوا رکھے[1]''

☆ قراءِ سبعہ میں سے تین قاری، عاصم، حمزہ اور کسائی تینوں کوفی ہیں

☆ فنِ حدیث کی تبویب سب سے پہلے کوفہ میں ہوئی، صحیح اَحادیث کا مجموعہ بھی سب سے پہلے یہیں مرتب ہوا۔

☆ عربیت اور نحو کی تدوین بھی بصرہ کے ساتھ کوفہ میں ہُوئی۔

☆ فقہ کے متعلق تو پوچھنا ہی کیا امام ابوحنیفہ ؒ نے اِس کو ''مَعْدَنُ الْعِلْمِ وَالْفِقْهِ'' کا لقب دیا ہے[2]۔

☆ سفیان بن عینیہ ؒ فرمایا کرتے تھے

''مَنْ اَرَادَ الْمَغَازِیَ فَالْمَدِیْنَةَ وَمَنْ اَرَادَ الْمَنَاسِکَ فَمَكَّةَ وَمَنْ اَرَادَ الْفِقْهَ فَالْكُوْفَةَ[3]''

مغازی کے لیے مدینہ طیبہ، مناسک کے لیے مکہ مکرمہ اور فقہ کے لیے کوفہ ہے۔

---

[1] مقدمہ نصب الرایہ ج:۱، ص:۲۹ تا ۳۵ [2] مناقب ابی حنیفہ للامام الموفق ابن احمد مکی ص:۵۲ [3] مناقب ابی حنیفہ ؒ

☆ فقہ حنفی جس پر بارہ سو برس سے اسلامی دنیا کا تقریباً دو ثلث حصہ عمل پیرا چلا آتا ہے اس کی بنیاد بھی یہیں پڑی۔

☆ علامہ نووی شافعیؒ (م:۶۷۶ھ) اسے "دَارُ الْفَضْلِ وَمَحَلُّ الْفُضَلَاءِ[1]" فضیلت کا گھر اور فضلاء کا محل قرار دیتے ہیں۔

☆ صاحب قاموس علامہ مجدالدین فیروزآبادیؒ اسے "قُبَّةُ الْإِسْلَامِ وَدَارُ هِجْرَةِ الْمُسْلِمِيْنَ[2]" اسلام کا قبہ اور مسلمانوں کی جائے ہجرت لکھتے ہیں

☆ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے اس شہر کو اپنا دارالخلافہ قرار دیا، چار سال تک آپ کا یہاں قیام رہا اور آپ کے بیشتر فیصلے یہیں صادر ہوئے۔

☆ حضرت امام بخاریؒ (م:۲۵۶ھ) نے طلب حدیث میں بخارا سے لے کر مصر تک تمام اسلامی شہروں کا سفر کیا تھا، دو دفعہ جزیرہ گئے، چار دفعہ بصرہ جانا ہوا، چھ سال تک حجاز میں مقیم رہے مگر اس کے باوجود کوفہ اور بغداد کی وہ اہمیت تھی کہ فرماتے ہیں:

> "لَا أُحْصِيْ كَمْ دَخَلْتُ إِلَى الْكُوْفَةِ وَبَغْدَادَ مَعَ الْمُحَدِّثِيْنَ[3]" میں شمار بھی نہیں کرسکتا کہ کوفہ اور بغداد میں مجھے محدثین کے ساتھ کتنی بار جانا پڑا۔

اس مرکزِ اسلام میں ــــــــ جو صدیوں تک علومِ اسلامیہ کا دارالعلوم بنا رہا اور جو عہدِ مرتضوی سے لے کر بغداد کے تعمیر ہونے تک وسعتِ علم اور کثرتِ حدیث میں تمام بلادِ اسلامیہ میں ممتاز رہا ــــــــ ایک بہت بڑے محدّث وفقیہ گزرے ہیں جن کا نامِ نامی حماد ہے، آپ مشہور تابعی ہیں، حضرت انس رضی اللہ

---

[1] شرح مسلم للنووی ج:۱، ص:۱۸۵ [2] القاموس المحیط ج:۳، ص:۱۹۹ [3] ھدی الساری مقدمہ فتح الباری ج:۲، ص:۲۵۰

عنہ سے روایت کرتے ہیں، اپنے زمانے میں کوفہ کے رؤساءِ عظام اور فقہاءِ بے مثل میں شمار ہوتے تھے۔

اُوپر جو شہر کوفہ کی خصوصیات اور اس کے امتیازات ذکر کیے گئے ہیں وہ درحقیقت حضرت حمادؒ کے تذکرہ کی تمہید کے طور پر ذکر کیے گئے ہیں، کیونکہ حضرت حمادؒ کوفہ کے رہنے والے تھے، ہمارا اِرادہ ہے کہ آپ کے حالات جو کتب ''اَسماء الرجال'' میں بکھرے ہوئے ہیں اُنہیں یکجا کر کے نذرِ قارئین کیا جائے، لہٰذا اب آپ امام حمادؒ کے تفصیلی حالات ملاحظہ فرمائیں۔

نام ونسب:

آپ کا نام حماد ہے، والد کا نام مسلم ہے، مسلم اپنے نام سے زیادہ اپنی کنیت ابوسلیمان سے مشہور ہیں، سلسلۂ نسب اِس طرح ہے۔

''حماد بن مسلم بن یزید بن عمرو''

آپ کے آباء واَجداد اصفہان کے شمالی علاقے بُزُخوار کے رہنے والے تھے ابوالشیخ انصاریؒ (م:۳۶۹ھ) تحریر فرماتے ہیں۔

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو فارس، اصطخر اور اصفہان وغیرہ کی مہم پر روانہ فرمایا، چنانچہ آپ نے یہ علاقے فتح کر لیے، مسلم بن یزید (حضرت حمادؒ کے والد) آپ کے پاس چلے آئے اور آپ کے دستِ حق پرست پر اسلام قبول کرلیا، آپ اصفہان کے بادشاہ اور منتظم الامور کے صاحبزادے تھے، حضرت ابوموسیٰ اَشعریؓ

آپ کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لے آئے، مسلم بن یزیدؒ نے آپ کے سامنے اپنے اسلام کا اِعادہ کیا، آپ نے مسلم بن یزید کو کوفہ میں خطہ الاٹ کر دیا وہ خطہ آج تک آپ کی اولاد کے پاس باقی چلا آرہا ہے[۱]''

ابو نُعیم اصفہانی (م: ۴۳۰ھ) کا کہنا ہے کہ

''حماد اصفہان کے علاقے بُرْخُوارْ سے قید کر کے کوفہ لائے گئے تھے، آپ کے والد نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے دستِ حق پرست پر اسلام قبول کیا تھا۔

حماد: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے صاجزادے ابراہیم کے مولیٰ (آزاد کردہ غلام) تھے، اور حماد کے والد ابو سلیمان اُن دس غلاموں میں سے تھے جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اَشعری رضی اللہ عنہ کو ہدیے میں دیے تھے[۲]''

یہ دونوں باتیں بظاہر متضاد نظر آتی ہیں ان میں سے کون سی صحیح ہے کون سی غلط ہے اس سے صرفِ نظر کرتے ہوئے اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ امام حمادؒ کے جو اَوصاف و کمالات کتابوں میں مذکور ہیں اُن سے ابو شیخ اَنصاریؒ کی بات راجح معلوم ہوتی ہے، لیکن اکثر مؤرخین نے دوسری بات ہی ذکر کی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اُن کے نزدیک ابو نُعیم کی بات راجح ہے تاہم اس سے امام حمادؒ کی جلالتِ قدر میں کسی قسم کی کمی نہیں آتی، کیونکہ اُس زمانے پر نظر ڈالی جائے تو

---

[۱] طبقات المحدثین باصبہان ج: ۱، ص: ۳۲۷ ، [۲] تاریخ اصفہان ج: ۱، ص: ۲۸۸

معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانے کے بڑے بڑے نامور محدّث وفقیہ مؤالی (آزاد شدہ غلام) تھے، اس موقع پر ایک واقعہ یاد آیا جو علاّمہ ابن عبدربہ (م:) نے اپنی کتاب ''العقد الفرید'' میں لکھا ہے قارئین کی دلچسپی کے لیے پیش کیا جاتا ہے، گوکہ اس واقعہ سے ابونعیم کی بات کو ترجیح معلوم ہوتی ہے، علامہ ابن عبدربہ اپنی مشہور کتاب ''العقد الفرید'' میں رقم طراز ہیں

''ابن ابی لیلیٰ نے ذکر کیا کہ ایک مرتبہ عیسیٰ بن موسیٰ نے اُن سے دریافت کیا فقیہِ بصرہ کون تھے؟ یہ عیسیٰ بڑے متعصب مذہبی آدمی تھے، میں نے جوابًا کہا حسن بن ابی الحسن، اُس نے کہا اور کون؟ مَیں نے کہا، محمد بن سیرینؒ اُس نے کہا دونوں کی کیا حیثیت تھی؟ مَیں نے کہا موالی (آزاد کردہ غلام) وہ بولے، فقیہِ مکہ کون تھے؟ مَیں نے کہا: عطاء بن ابی رباحؒ، مجاہدؒ، سعید بن جبیرؒ اور سلیمان بن یسارؒ اُس نے کہا وہ کون تھے؟ میں نے کہا: موالی، وہ بولا فقہاءِ مدینہ کون تھے؟ میں نے کہا: زید بن اسلمؒ، محمد بن المنکدرؒ اور نافع بن ابی نجیح، بولا یہ کن دیار وأمصار کے باشندے ہیں؟ میں نے کہا موالی، وہ غصہ سے سرخ ہوگیا، پھر پوچھا، اہلِ قباء میں سب سے بڑا فقیہ کون تھا؟ مَیں نے کہا: ربیعہ رائےؒ اور ابن ابی الزنادؒ، اُس نے دریافت کیا، وہ کون تھے؟ میں نے کہا: موالی، اُس کا چہرہ متغیر ہوگیا، پھر پوچھا، فقیہِ یمن کون تھے؟ میں نے کہا طاء وسؒ اُن کے صاحبزادے اور ابن منبہؒ، پوچھا وہ کون

تھے؟ میں نے کہا، موالی، اس کی رگیں پھول گئیں، اور تن کر کھڑا ہو گیا۔ پھر پوچھا فقیہِ خراسان کون تھے؟ میں نے کہا عطاء بن عبد اللہ خراسانیؒ، پوچھا عطاء کون تھے؟ میں نے جواب دیا وہ موالیٰ تھے، اُس کے چہرے کا مٹیالا پن اور بڑھ گیا اور اس پر ایسی سیاہی چھا گئی کہ میں ڈر گیا پھر پوچھا: فقیہِ شام کون تھے؟ میں نے کہا مکحولؒ، بولا مکحول کون تھے؟ میں نے کہا موالیٰ، اُس نے سَر د آہ بھری اور کہا: فقیہِ کوفہ کون تھے؟ بخدا، اگر میں اُس سے خائف نہ ہو گیا ہوتا تو کہتا حکم بن عتیبہؒ اور حماد بن ابی سلیمانؒ (یہ بھی موالی تھے) مگر مجھے اُس میں شر کے آثار نظر آئے اور میں نے کہا: ابراہیم نخعیؒ اور شعبیؒ اُس نے کہا وہ کون تھے؟ میں کہا عربی، اُس نے بے ساختہ نعرۂ تکبیر لگایا اور اُسے اطمینان کا سانس نصیب ہوا[1]''

لگے ہاتھ اسی قسم کا ایک اور واقعہ بھی ملاحظہ فرماتے چلیں یہ واقعہ حضرت عطاء بن عبداللہ خراسانیؒ اور ہشام بن عبدالملک اُمَوِی کے درمیان پیش آیا تھا

''حضرت عطاء فرماتے ہیں میں رصافہ میں ہشام بن عبدالملک سے ملا، ہشام نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا! آپ کو مختلف شہروں کے علماء کا کچھ حال معلوم ہے؟ میں نے کہا، کیوں نہیں...... پوچھا اہلِ مدینہ کے فقیہ کون ہیں؟ میں نے کہا، نافع موالیٰ ابن عمرؓ، بولا، اہلِ مکّہ کے فقیہ کون ہیں؟ میں

---

[1] العقد الفرید ج:۳، ص:۴۱۵

نے کہا، عطاء بن ابی رباحؒ، اُس نے پوچھا وہ عربی ہیں یا مولیٰ (عجمی)؟ میں نے کہا مولیٰ، پھر دریافت کیا! اہلِ یمن کے فقیہ کون ہیں؟ میں نے کہا طاءوس بن کیسانؒ، پوچھا مولیٰ ہیں یا عربی؟ میں نے کہا مولیٰ، پوچھا اہلِ یمامہ کے فقیہ کون ہیں؟ میں نے کہا یحییٰ بن کثیرؒ، پوچھا مولیٰ ہیں یا عربی؟ میں نے کہا مولیٰ، بولا، اہلِ شام کے فقیہ کون ہیں؟ میں نے جواباً کہا مکحولؒ، پوچھا مولیٰ ہیں یا عربی؟ میں نے کہا مولیٰ، کہنے لگا اہلِ جزیرہ کے فقیہ کون ہیں؟ میں نے کہا میمون بن مہرانؒ، بولا مولیٰ ہیں یا عربی؟ مَیں نے کہا مولیٰ، پوچھا اہلِ خراسان کے فقیہ کون ہیں؟ میں نے کہا ضحاک بن مزاحمؒ، پوچھا مولیٰ ہیں یا عربی؟ مَیں نے کہا مولیٰ، پوچھا اہلِ بصرہ کے فقیہ کون ہیں؟ میں نے کہا حسنؒ اور ابن سیرینؒ، کہا وہ دونوں مولیٰ ہیں یا عربی؟ میں نے کہا مولیٰ ہیں، دریافت کیا اہلِ کوفہ کے فقیہ کون ہیں؟ میں نے کہا ابراہیم نخعیؒ، پوچھا مولیٰ ہیں یا عربی؟ میں نے کہا عربی، ہشام کہنے لگا میرا خیال تھا کہ میری جان نکل جائے گی، اور کسی عربی کا نام تمہاری زبان پر نہیں آئے گا[1]''

اساتذہ کرام:

امام حمادؒ کے اساتذہ میں سرِ فہرست حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں،

---

[1] مناقب ابی حنیفہؒ للامام الموفقؒ ص:۱۲

ان کے علاوہ آپ نے بڑے بڑے جلیل القدر تابعین سے فیض پایا ہے جن کے اسماءِ گرامی درج ذیل ہیں:۔

(۱) حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ (م: ۱۱۰ھ)، علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں

"آپ علم کا سمندر، فقیہ النفس، کبیر الشان عدیم النظیر اور بلیغ التذکیر تھے[۱]"

(۲) حضرت زید بن وہب جہنی رحمہ اللہ (م: قریب ۸۴ھ)، آپ حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابوذر اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہم کے شاگردِ رشید تھے۔

(۳) حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ (م: ۹۵ھ)، آپ حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عدی بن حاتم، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہم کے شاگرد تھے، ظالم حجاج نے آپ کو شہید کیا تھا۔

(۴) حضرت سعید بن میتب رحمہ اللہ (م: ۹۴ھ)، آپ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگردِ خاص اور آپ کے داماد تھے۔ امام ذہبیؒ آپ کو "شیخ الاسلام" لکھتے ہیں۔ علی بن مدینیؒ کا کہنا ہے کہ

"میں تابعین میں آپ سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں جانتا[۲]"

(۵) حضرت ابووائل شقیق بن سلمہ رحمہ اللہ (م: ۸۲ھ)، آپ حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں، صرف دو مہینے میں قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ ج: ۱، ص: ۷۲ [۲] تذکرۃ الحفاظ ج: ۱، ص: ۵۴

(۶) حضرت عامر بن شراحیل شعبی رحمہ اللہ (م: ۱۰۳ھ)، آپ پانچ سو صحابہ کرام کی زیارت سے مشرف اور جلیل القدر صحابہ کرام کے شاگرد تھے، دَورِ صحابہ میں فتوٰی دیا کرتے تھے، امام ذہبیؒ آپ کو ''علامۃ التابعین'' تحریر فرماتے ہیں[1]

(۷) حضرت عبد اللہ بن بریدہ رحمہ اللہ (م: ۱۱۵ھ)، اپنے والد حضرت بریدہ، حضرت عائشہ، حضرت سمرہ بن جندب، حضرت عمران بن حصین، حضرت ابو موسٰی اَشعری، حضرت مغیرہ بن شعبہ، حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں ۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی ہے آپ مَرْو کے قاضی اور خراسان کے عالم تھے۔

(۸) عبد الرحمٰن بن سعد: مولٰی آلِ عمرؓ (م:)

(۹) عکرمہ: مولٰی ابن عباس رضی اللہ عنہم (م: ۱۰۷ھ)، آپ حضرت علی، حضرت عبد اللہ بن عباس، حضرت عائشہ، حضرت ابو ہریرہ، حضرت عقبہ بن عامر، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں، حضرت سعید بن جبیرؒ سے سوال ہوا کہ آپ اپنے سے بڑا عالم جانتے ہیں فرمایا ہاں عکرمہ ہیں ۔ قرہ بن خالد کہتے ہیں کہ عکرمہ بصرہ تشریف لاتے تو خواجہ حسن بصریؒ تفسیر بیان کرنے سے رُک جاتے تھے[2]۔

(۱۰) حضرت ابراہیم بن یزید نخعی رحمۃ اللہ علیہ (م: ۹۵ھ)، آپ نے حضرت عائشہ اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہما کی زیارت کی ہے ۔ بچپن میں آپ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے ۔ امام شعبیؒ نے آپ کی

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج:۱، ص:۸۹ ، [2] تذکرۃ الحفاظ ج:۱، ص:۹۶

وفات کے بعد فرمایا کہ ابراہیم نے اپنے سے بڑا عالم اور فقیہ کوئی نہیں چھوڑا، لوگوں نے کہا کہ کیا حسن بصری اور ابن سیرین بھی نہیں؟ تو امام شعبیؒ نے فرمایا کہ نہ صرف حسن بصری اور ابن سیرین بلکہ اہلِ بصرہ، کوفہ، حجاز اور شام میں بھی کوئی نہیں[1]،

حضرت حمادؒ کے اساتذہ کی یہ فہرست علامہ مزی (م: ۷۴۲ھ) نے ''تہذیب الکمال[2]'' میں دی ہے، اس فہرست سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جس شخصیت کے اساتذہ اس پائے کے ہوں اس کے علم و عرفان کا کیا حال ہوگا، حضرت حمادؒ نے اپنے اساتذہ میں سے سب سے زیادہ استفادہ حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے کیا ہے، جب تک وہ زندہ رہے حضرت حمادؒ اُن سے استفادہ کرتے رہے۔

ابوالشیخ انصاریؒ نے آپ کے زمانۂ طالب علمی کا ایک دلچسپ واقعہ لکھا ہے، ملاحظہ فرمایئے

> ''ایک دن حضرت ابراہیم نخعیؒ نے حمادؒ کو ایک درہم کا گوشت لانے کے لیے بازار بھیجا، زنبیل ان کے ہاتھ میں تھی، اُدھر سے کہیں اُن کے والد گھوڑے پر سوار آرہے تھے۔ یہ صورت دیکھ کر اُنہوں نے حماد کو ڈانٹا اور زنبیل لے کر ہاتھ سے پھینک دی۔ جب حضرت ابراہیم نخعیؒ کی وفات ہوگئی تو حدیث کے طلبہ اُن کے والد (ابوسلیمان مسلم بن یزید) کے دروازے پر آئے اور دستک دی یہ چراغ لے کر باہر نکلے تو

---

[1] تہذیب الاسماء واللغات ج:۱، ص:۴۰۴ للامام النوویؒ ، [2] ج:۷، ص:۲۷۰

اُن طلبہ نے کہا ہمیں آپ کی ضرورت نہیں آپ کے فرزند حمادؒ کی ضرورت ہے، یہ خفیف ہو کر اندر تشریف لے آئے اور حمادؒ سے کہا جاؤ بھئی باہر جاؤ، اب مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ مقام تمہیں ابراہیم کی زنبیل کی بدولت ہی نصیب ہوا ہے[1]۔

استاذ کی خدمت کے صلہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو علمِ شریعت اور فقاہت فی الدین سے نوازا اور آپ حضرت ابراہیم نخعیؒ کے تلامذہ میں سب سے بڑے فقیہ شمار ہونے لگے، چنانچہ علامہ ذہبیؒ تحریر فرماتے ہیں۔

"وَهُوَ اَنْبَلُ اَصْحَابِه وَاَفْقَهُهُمْ وَاَقْيَسُهُمْ وَاَبْصَرُهُمْ بِالْمُنَاظَرَةِ وَالرَّاْيِ[2]"

آپ حضرت ابراہیمؒ کے تلامذہ میں سب سے زیادہ ذکی وذہین، سب سے بڑے فقیہ، سب سے زیادہ قیاس کرنے والے اور مناظرے اور رائے میں سب سے زیادہ بصیرت ومہارت رکھنے والے تھے

حضرت ابراہیم نخعیؒ کی صحبت سے آپ کی علمی استعداد اور صلاحیت اس قدر بڑھ گئی تھی کہ آپ اُن کی زندگی ہی میں فتوے دینے لگے تھے۔ چنانچہ حضرت حمادؒ کے ایک ہم سبق حضرت مُغیرہ بن مِقْسَم کو آپ کے فتوے دینے پر تعجب ہوا تو اپنے اُستاذ حضرت ابراہیم نخعیؒ سے عرض کیا" اِنَّ حَمَّادًا قَدْ قَعَدَ يُفْتِىْ "کہ حمادؒ تو فتوے دینے لگے، اُستاذِ مکرم حضرت ابراہیم نخعیؒ نے فرمایا:

"وَمَا يَمْنَعُه' اَن يُّفْتِىَ وَقَدْ سَأَلَنِىْ هُوَ وَحْدَه'

---

[1] طبقات المحدثین ج:۱،ص:۳۳۰ ، [2] سیر اعلام النبلاء ج:۵،ص:۲۳۱

عَمَّا لَمْ تَسْأَلُوْنِیْ کُلُّکُمْ عَنْ عُشْرِہٖ[۱]"

اس میں تعجب کی کیا بات ہے، آخر انہیں فتوے دینے سے کون سی چیز مانع ہے؟ حماد نے تنِ تنہا مجھ سے اس قدر مسائل دریافت کیے ہیں کہ تم سب نے مل کر بھی ان کے دسویں حصے کے برابر بھی مسائل دریافت نہیں کیے

حضرت ابراہیم نخعیؒ کو اپنے لائق شاگرد کی علمی قابلیت پر حد درجہ اعتماد تھا اور آپ لوگوں کو اُن سے علم حاصل کرنے کا حکم دیتے تھے، چنانچہ وہی مغیرہ بن مقسمؒ فرماتے ہیں

"جن دنوں آپ حجاج بن یوسف کی ایذاء رسانی کی وجہ سے روپوش تھے ہم آپ کے پاس آپ کی عیادت کے لیے حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا "عَلَیْکُمْ بِحَمَّادٍ فَاِنَّہٗ قَدْ سَأَلَنِیْ عَنْ جَمِیْعِ مَا سَأَلَنِیْ عَنْہُ النَّاسُ" تحصیلِ علم کے لیے حماد کو لازم پکڑلو، کیونکہ مجھ سے وہ تمام ایسے مسائل دریافت کر چکے ہیں جن کے متعلق لوگ مجھ سے استفسار کیا کرتے تھے[۲]"

ابن ادریس فرماتے ہیں کہ ہمیں ابو اسحاق شیبانی نے عبد الملک بن ایاس شیبانی سے نقل کیا کہ انہوں نے حضرت ابراہیم نخعیؒ سے دریافت کیا کہ ہم آپ کے بعد کس سے مسائل دریافت کریں؟ آپ نے فرمایا حمادؒ سے، ابن ادریس کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ جب بھی ابو اسحاق شیبانی امام

---

[۱] تہذیب الکمال ج:۷، ص:۲۷۴ ، [۲] سیر اعلام النبلاء ج:۵، ص:۲۳۲

حمادؒ کا تذکرہ کرتے تو خوب ان کی تعریف کرتے[1]"

امام حمادؒ کا حلقۂ درس:

حضرت ابراہیم نخعیؒ کی وفات کے بعد امام حمادؒ آپ کے جانشین بنے اور آپ کی مَسندِ درس کو سنبھالا، عقیلی نے اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ

> "حضرت ابراہیم نخعیؒ کی وفات کے بعد کوفہ کے پانچ اشخاص نے مل کر چالیس ہزار روپے جمع کیے، ان میں عمرو بن قیس بھی تھے اور یہ رقم لے حَکَمْ بن عُتَیْبَہ کے پاس آئے کہ آپ ہماری جماعت کی سرپرستی فرمائیں اور یہ رقم اپنے پاس رکھیں (غالباً اس رقم سے اہلِ علم کی ضروریات کا تکفل پیش نظر ہوگا) اُنھوں نے انکار کر دیا، یہ لوگ پھر حضرت حمادؒ کی خدمت میں پہنچے اور وہی گزارش کی آپ نے اس خدمت کو قبول کر لیا[2]"

امام حمادؒ نے جب حدیث وفقہ کی تعلیم دینی شروع کی تو آپ کے حلقۂ درس میں جوق در جوق تشنگانِ علم آکر شریک ہونے لگے اور آپ کی ذات مرجع العلماء بن گئی۔

یوسف بن تغری الاتابکی (م:۸۷۴ھ) لکھتے ہیں

> "وَهُوَ اَوَّلُ مَنْ حَلَّقَ حَلْقَةً لِلْاِشْتِغَالِ[3]"
>
> حماد بن ابی سلیمان پہلے شخص ہیں جنہوں نے علمی اشتغال کے لیے حلقۂ درس قائم کیا۔

---

[1] سیر اعلام النبلاء ج:۵، ص:۲۳۲ ، [2] کتاب الضعفاء للعقیلی ، [3] النجوم الزاہرۃ ج:۱، ص:۳۶۵

کہتے ہیں کہ درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے اور استاذ اپنے شاگردوں سے اس مقولہ کو سامنے رکھتے ہوئے جب ہم آپ کے شاگردوں کو دیکھتے ہیں تو اُن میں سے ہر فرد علم کا پہاڑ نظر آتا ہے۔ایک نظر آپ بھی شاگردوں پر ڈال لیجیے،علامہ مِزّیؒ نے آپ کے چند شاگردوں کے درج ذیل نام ذکر کیے ہیں

(۱) آپ کے صاجزادے اسماعیل۔(۲) جریر بن ایوب بجلی۔(۳) حلب کے قاضی حفص بن عمر۔(۴) شیخ الکوفۃ حَکَم بن عُتیبہ۔(۵) حماد بن سلمہ بصری۔(۶) شیخ حمزہ الزیات۔(۷) زید بن ابی اُنیسہ۔(۸) ابوغیلان سعد بن طالب الشیبانی۔(۹) سید الحفاظ امام سفیان ثوری الکوفی۔ (۱۰) سلمہ بن صالح جعفی۔(۱۱) شیخ الاسلام سلیمان بن مہران اعمش کوفی۔(۱۲) امیر المومنین فی الحدیث شعبہ بن حجاج بصری۔(۱۳) عاصم بن سلیمان الاحول بصری (۱۴) عبدالاعلیٰ بن ابی المساور۔(۱۵) عبدالملک بن عثمان ثقفی۔ (۱۶) عبُید بن ابی اُمیہ۔(۱۷) عثمان بن عبدالرحمٰن وقاصی۔ (۱۸) ابو بُردہ عمرو بن یزید الکوفی۔(۱۹) کعب بصری۔ (۲۰) محمد بن اَبان جعفی۔(۲۱) محمد بن مرّہ۔(۲۲) مسعر بن کدام الکوفی۔(۲۳) مغیرہ بن مِقسَم الضبی الکوفی۔(۲۴) امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت الکوفی (۲۵) ہشام دستوائی البصری (۲۶) ابو اسحاق الشیبانی التابعی الکوفی۔(۲۷) امام ابو بکر نہشلی الکوفی۔(۲۸) ابو ہاشم الرمانی[1] رحمہم اللہ

---

[1] تہذیب الکمال ج:۷،ص:۲۷۰

امام ابو حنیفہؒ حضرت حمادؒ کے حلقۂ درس میں:

حضرت حمادؒ سے سب سے زیادہ استفادہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے کیا ہے، آپ فرماتے ہیں میں حضرت حمادؒ کی خدمت میں اٹھارہ برس رہا ہوں[1]۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کا امام حمادؒ کے حلقۂ درس میں کس طرح جانا ہوا اِس کے متعلق حضرت امام صاحبؒ کے شاگرد امام زفر بن ہذیلؒ فرماتے ہیں مَیں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ

> ”پہلے میری توجہ (فرقِ باطلہ کی تردید کی وجہ سے) علمِ کلام کی طرف زیادہ تھی اور میں علمِ کلام میں اس درجے پر پہنچ گیا تھا کہ لوگ انگلیوں سے میری طرف اشارے کرنے لگے تھے، ہم لوگ حضرت حماد کے حلقۂ درس کے قریب ہی بیٹھا کرتے تھے، ایک دفعہ ایسا ہوا کہ میرے پاس ایک عورت آکر کہنے لگی کہ ایک شخص کی ایک بیوی ہے جو باندی ہے وہ اُسے طلاقِ سُنّی[2] دینا چاہتا ہے وہ اسے کتنی طلاقیں دے؟ مَیں نے اس سے کہا حضرت حمادؒ سے جاکر پوچھ لو اور وہ جو جواب دیں مجھے بھی بتلاتی جانا۔ اس نے حضرت حماد کے پاس جاکر مسئلہ پوچھا، آپ نے فرمایا: وہ اُسے زمانۂ طہر میں کہ جس میں صحبت بھی نہ کی ہو ایک طلاق دے دے اور اُسے چھوڑ

---

[1] مناقب ابی حنیفہ للامام الموفق ص: ۵۲ ، [2] طلاق بدعی کے مقابل ہونے کی وجہ اسے طلاقِ سُنّی کہا جاتا ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ جو طلاق سُنّت کے مطابق دی جائے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اَزواجِ مطہرات میں سے کسی کو بھی طلاق نہیں دی

دے کہ وہ دو حیض عدت کے گزار لے جب وہ دو حیض گزار کر نہالے گی تو اس کے نکاح سے نکل جائے گی اور دوسرے کے لیے حلال ہو جائے گی۔ اس عورت نے واپس جاتے ہوئے۔ حضرت امام صاحبؒ کو مسئلہ بتلایا امام صاحبؒ فرماتے ہیں میں نے جی میں کہا مجھے علمِ کلام کی ضرورت نہیں ہے، مَیں نے جوتی اٹھائی اور حضرت حمادؒ کے حلقۂ درس میں جا بیٹھا۔ پھر یہ معمول ہو گیا کہ جو مسائل آپ بیان فرماتے میں وہ سُن کر یاد کر لیتا اور دوسرے دن دوہرا دیتا۔ (جب حضرت حمادؒ سُنتے تو) مجھے مسائل یاد ہوتے اور دوسرے ساتھیوں کو یاد نہ ہوتے، وہ مسائل بتلانے میں غلطی کرتے حضرت حمادؒ نے فرمایا۔ میرے سامنے سب سے آگے ابو حنیفہ بیٹھا کریں اور کوئی نہ بیٹھے، الغرض پورے دس سال میں آپ کی صُحبت میں رہا۔ پھر میرے دل میں خیال آیا کہ میں امام حمادؒ سے الگ ہو کر اپنے حلقے میں بیٹھوں، ایک دن میں نکلا دل میں پکا ارادہ کر لیا کہ اپنا حلقہ الگ قائم کروں گا، لیکن جب میں مسجد میں داخل ہوا اور امام حماد کو دیکھا تو انہیں چھوڑنے کو جی نہ مانا میں آگے بڑھا اور آپ کے حلقے میں جا بیٹھا۔ اتفاقاً ایسی صورت پیش آئی کہ اسی رات بصرے میں آپ کے کسی عزیز کے فوت ہو جانے کی خبر آ گئی جس کا حضرت حمادؒ کے سوا کوئی وارث نہیں تھا، حضرت حماد نے مجھ

سے کہا کہ تم میری جگہ بیٹھو، جب آپ چلے گئے تو میرے پاس
ایسے مسائل آنے لگے جو میں نے آپ سے نہیں سُنے تھے مَیں
اُن مسائل کا جواب دیتا اور اپنے پاس جواب لکھتا رہا۔
حضرت حمادؒ دو ماہ بعد واپس آئے تو میں نے آپ کو وہ مسائل
دکھلائے جو ساٹھ کے قریب تھے، آپ نے چالیس مسائل
میں میری موافقت فرمائی اور بیس میں مخالفت، یہ صُورت حال
دیکھ کر مَیں نے فیصلہ کرلیا کہ میں آپ کی وفات تک آپ سے
جُدا نہیں ہوں گا، چنانچہ جب تک آپ فوت نہ ہوگئے میں آپ
سے جُدا نہیں ہوا۔ امام عجلی کی روایت میں ہے کہ آپ نے
فرمایا میں اٹھارہ برس امام حمادؒ کی صحبت میں رہا[1]"

ایک دوسری روایت میں امام صاحبؒ فرماتے ہیں:

"میں حماد بن ابی سلیمانؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو کیا دیکھتا
ہوں کہ آپ انتہائی باوقار، بردبار شیخ ہیں جو بات کو سمجھتے بھی
ہیں اور سمجھاتے بھی ہیں، میں نے آپ کے حلقۂ درس کو
لازم پکڑلیا، میں نے آپ کے پاس تمام وہ علوم و مسائل
پائے جن کی مجھے ضرورت تھی۔ ایک دن امام حمادؒ مجھ سے
کہنے لگے: ابوحنیفہ تم نے تو مجھے خالی کردیا[2]"

حضرت امام صاحبؒ کے اس فرمان سے معلوم ہورہا ہے کہ آپ امام حمادؒ
کی خدمت میں اٹھارہ برس رہے تھے اس طویل عرصے میں آپ نے امام حمادؒ سے

---

[1] مناقب ابی حنیفہ للامام الموفق ص: ۵۱-۵۲ ، [2] ایضاً ص: ۵۸

علمِ حدیث بھی حاصل کیا اور علم فقہ بھی، چونکہ آپ پر استاذ کی خصوصی توجہ تھی اس لیے آپ اپنے سب ہم درسوں پر سبقت لے گئے تھے، حسن بن زیادؒ فرماتے ہیں

”کَانَ اَبُوْحَنِیْفَةَ یَرْوِیْ اَرْبَعَةَ آلافِ حَدِیْثٍ اَلْفَیْنِ لِحَمَّادٍ وَ اَلْفَیْنِ لِسَائِرِ الْمَشِیْخَةِ[1]

حضرت امام ابوحنیفہؒ چار ہزار اَحادیث روایت کرتے تھے جن میں سے دو ہزار حضرت حمادؒ کی تھیں اور دو ہزار باقی تمام مشائخ کی،

امام حمادؒ نے حضرت امام صاحبؒ کو طریقِ استنباط کے ساتھ ساتھ مخالف کو ساکت کرنے کے اُصول بھی سکھائے تھے۔ (کیونکہ اُس دَور میں نئے نئے فرقے جنم لے رہے تھے اور اُن سے عقلی انداز میں گفتگو کرنا ضروری تھا) یہ اُصول ایسے تھے جن سے حضرت امام صاحبؒ ہمیشہ فریقِ مخالف پر حاوی رہتے تھے اور کبھی بھی آپ کو لاجواب نہیں ہونا پڑتا تھا، ایک زرّیں اُصول قارئین کی دلچسپی کے لیے نقل کیا جاتا ہے

حضرت امام صاحبؒ فرماتے ہیں

”انه کان یقول: اذا سئلتَ عن معضلةٍ فاَقلِبُها سؤالاً علی سائلک عنها حتی تخلص من مسالته لک، فدس الیّ رجل فقعد لی علی الباب وانا عند ابن هبیرة وقد اُمر بی الی السجن فسعی الرجل الی السجن فقال یا

---

[1] مناقب ابی حنیفہ للامام الموفق ص ٨٥

ابـا حنیفة یحل للرجل اذا امره السلطان الاعظم ان یقتل رجلا ان یقتله؟ قال قلت له: وکان الرجل ممن وجب علیه القتل؟ قال نعم قلتُ فاقتله: قال فان لم یکن ممن وجب علیه القتل؟ قال قلت: اِن السلطان الاعظم لایأمر بقتل من لا یستحق القتل[۱]"

امام حمادؒ فرمایا کرتے تھے کہ "جب تم سے کوئی مشکل اور پیچیدہ بات پُوچھی جائے تو اُلٹا تم سائل سے اِس کے متعلق سوال کردو تا کہ تم اُس کے سوال سے خلاصی[۲] پاؤ" (امام صاحبؒ فرماتے ہیں ایک دفعہ ایسا ہوا کہ) ایک شخص نے میرے ساتھ سازش کی اور مجھ سے ملنے کے لیے دروازے پر بیٹھ گیا۔ میں اس وقت ابن ہبیرہ (گورنرِ کوفہ) کے پاس تھا اور میرے بارہ میں جیل جانے کا حکم دیا جا چکا تھا، وہ شخص کوشش کر کے جیل تک پہنچا اور مجھ سے پوچھنے لگا: اے ابوحنیفہؒ اگر بادشاہ کسی کو حکم دے کہ فلاں کو قتل کر دو تو کیا اُس کا اِس شخص کو قتل کرنا جائز ہوگا؟ امام صاحبؒ فرماتے ہیں میں نے اُس سے کہا! کیا وہ شخص اُن اَفراد میں سے ہے جن کا قتل کیا جانا واجب ہے؟ اُس نے کہا کہ ہاں، میں نے کہا پھر اُسے قتل کردو، وہ بولا کہ اگر وہ اُن اَفراد میں سے نہ ہو جن کا قتل کیا

[۱] اخبار ابی حنیفة واصحابه للصیمری ص:۱۹، [۲] مطلب یہ ہے کہ تم سائل بنو مجیب نہ بنو

جانا واجب ہے تو پھر؟ امام صاحبؒ فرماتے ہیں میں نے کہا
کہ سلطانِ اعظم کسی ایسے شخص کے قتل کا حکم نہیں دے سکتے جو
مستحقِ قتل نہ ہو، (اس پر وہ لاجواب ہو گیا)

الغرض حضرت امام صاحبؒ، امام حمادؒ کی خدمت میں رہ کر علوم بھی حاصل کرتے رہے اور دل وجان سے اُستاذ کی خدمت بھی کرتے رہے، آپ نے اپنے اُستاذ کی ایسی بے مثال خدمت کی کہ موجودہ دَور میں اس کا تصوّر بھی مشکل ہے۔ امام حمادؒ کی ہمشیرہ عاتکہؒ فرماتی ہیں

"ابو حنیفہؒ ہمارے دروازے پر ہماری روئی دُھنتے تھے اور
ہمارے لیے دودھ اور سبزی وغیرہ لاتے تھے[1]"

یاد رہے کہ حضرت امام صاحبؒ اپنے دَور کے متموّل خاندان کے فرد تھے، تجارت کیا کرتے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ خوش خوراک وخوش لباس بھی تھے، بایں ہمہ اُستاذ کی ایسی خدمت انجام دینا یہ آپ ہی کے بس کی بات تھی، اس دَور میں تو شاید کوئی اس کا تصوّر بھی نہ کر سکے۔

حضرت امام صاحبؒ کی امام حمادؒ سے عقیدت و محبت اور ادب و احترام:

حضرت امام صاحبؒ کو امام حمادؒ سے انتہائی محبت ہو گئی تھی جو ایک فطری عمل تھا۔ آپ اپنے اُستاذ سے محبت کے ساتھ ساتھ آپ کا انتہائی اَدب واحترام بھی فرماتے تھے۔

---

[1] طبقات المحدثین باصبہان ج:۱، ص:۳۳۰

عقیدت ومحبت کا اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ نے اپنے صاجزادے کا نام استاذِ محترم کے نام پر "حمادؒ" رکھا تھا، نیز امام صاحبؒ فرماتے ہیں

"جب سے حضرت حمادؒ کی وفات ہوئی ہے میں نے کوئی نماز ایسی نہیں پڑھی کہ اپنے والدین کے ساتھ اپنے اُساتذہ اور حضرت حمادؒ کے لیے دُعاءِ مغفرت نہ کی ہو[1]"

اُستاذ کے اَدب واحترام کا اس سے اندازہ لگایئے کہ حضرت امام صاحبؒ فرماتے ہیں۔

"مَا مَدَدْتُ رِجْلَيَّ نَحْوَ سِكَّةِ حَمَّادٍ قَطُّ وَكَانَ بَيْنَهُمَا مِقْدَارُ سَبْعِ سِكَكٍ تَعْظِيْمًا[2]"

میں نے حضرت حمادؒ (کے گھر) کی گلی کی طرف بھی کبھی پاؤں نہیں پھیلائے، حالانکہ دونوں کے درمیان سات گلیوں کا فاصلہ تھا

حضرت امام صاحبؒ کی اپنے اُستاذ حضرت حمادؒ کے ساتھ عقیدت ومحبت اور اَدب واحترام ہی کا نتیجہ تھا کہ آپ کے اُستاذ کو بھی آپ سے اِسی قدر محبت ہوگئی تھی، وہ آپ کی عظمت کے بھی قائل تھے، اور آپ کی دید کے بھی مشاق رہتے تھے، جب تک آپ کو دیکھ نہ لیتے تھے چین نہیں پڑتا تھا۔

علامہ ابن عبدالبر اُندلسی رحمہ اللہ (م: ۴۶۳ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ

"ایک مرتبہ امام صاحبؒ کے والد بزرگوار نے امام حمادؒ سے ایک مسئلہ دریافت کیا، امام حمادؒ نے جواب دیا، امام صاحبؒ

---

[1] مناقب ابی حنیفہ للامام الکردری ص: ۲۷۵ ، [2] مناقب ابی حنیفہ للامام الکردری ص: ۲۷۵

نے جواب پر ایک سوال کر دیا، بات لمبی ہوگئی امام حمادؒ خاموش ہوگئے، امام صاحبؒ جب مجلس سے رُخصت ہوئے تو امام حمادؒ نے فرمایا" ھٰذا مَعَ فِقْھِہٖ یُحْيِ اللَّیْلَ" یہ صرف فقیہ نہیں بلکہ شب زندہ دار بھی ہیں[1]"

امام حمادؒ کے صاحبزادے اسماعیلؒ فرماتے ہیں:

"ایک بار والد صاحب (امام حمادؒ) سفر میں تشریف لے گئے اور کچھ دن باہر رہے واپسی پر میں نے پُوچھا: ابّا جان آپ کو سب سے زیادہ کس کے دیکھنے کا شوق تھا؟ فرمایا ابو حنیفہ کے دیکھنے کا" لَوْ اَمْكَنَنِيْ اَنْ لَّا اَرْفَعَ طَرْفِيْ عَنْهُ فَعَلْتُ[2]" اگر یہ ممکن ہوسکتا کہ میں کبھی نگاہ اُن کے چہرے سے نہ اُٹھاؤں تو یہی کرتا۔

حضرت امام صاحبؒ کی اسی عقیدت ومحبت اور خدمت گزاری کا نتیجہ ہے کہ آج آپ کا نام دنیا میں دوپہر کے سُورج کی طرح روشن ہے اور پوری دنیا کے دوتہائی مسلمان آپ کی فقہ پر عمل پیرا اور آپ کے مقلد ہیں، سچ ہے

هر که خدمت کرد او مخدوم شُد

حضرت حمادؒ کا جود وسخا:

پیچھے یہ بات گزر چکی ہے کہ امام حمادؒ کوفہ کے روساءِ عظام میں سے تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو دولتِ دین کے ساتھ ساتھ دولتِ دُنیا سے بھی نوازا تھا،

---

[1] الانتقاء ص: ۱۲۷ بحوالہ امام اعظم اور علم حدیث ص: ۱۷۸، [2] اخبار ابی حنیفۃ واصحابہ للصیمری ص: ۶

دِل کے سخی تھے اور دِل کھول کر سخاوت کیا کرتے تھے، آپ کے اندازِ سخاوت سے یُوں محسوس ہوتا ہے گویا آپ کی نگاہ میں دولتِ دُنیا کی کوئی قدر و قیمت نہیں تھی۔ آپ کی دریا دِلی کا نتیجہ تھا کہ عوام ہوں یا علماء، سب آپ سے محبت کرتے تھے، تاریخ نے آپ کی سخاوت کے بہت سے واقعات محفوظ رکھے ہیں۔ قارئین کی دلچسپی کے لیے چند واقعات پیش کیے جاتے ہیں:

(۱) حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے حماد بن ابی سلیمانؒ سے ہمیشہ محبت رہی اس وجہ سے کہ مجھے ان کا ایک واقعہ معلوم ہُوا تھا اور وہ یہ تھا کہ وہ ایک دن گدھے پر سوار جا رہے تھے، اس کے ایڑ ماری، وہ جو زور سے دوڑا تو اس کے جھٹکے سے حضرت حمادؒ کے کرتے کی گھنڈی ٹوٹ گئی، راستے میں ایک درزی کی دُکان نظر پڑی اس کو سلوانے کے لیے اُترنے لگے، درزی نے کہا، اُترنے کی ضرورت نہیں معمولی کام ہے میں ابھی لگائے دیتا ہوں، درزی نے کھڑے ہو کر وہ گھنڈی کرتے میں سی دی، حضرت حمادؒ نے اس کی اُجرت میں ایک تھیلی دی جس میں دس اشرفیاں تھیں اور معاوضے کی کمی کی معذرت کی اور قسم اُٹھا کر کہا کہ اس وقت میرے پاس اور کچھ نہیں ہے[1]

(۲) محمد بن صبیح ؒ کہتے ہیں کہ جب ابو الزناد صدقات کی وصولی کے لیے کوفہ آئے تو ایک شخص نے حضرت حمادؒ سے کہا

---

[1] مناقب ابی حنیفہ للامام الموفق ص: ۲۹۰، احیاء العلوم عربی ج: ۳، ص: ۲۵۱

کہ آپ فلاں شخص کے بارے میں ابوالزناد سے بات کر کے اس کو اس کے پاس کسی کام کے لیے ملازم رکھوادیں، حضرت حمادؒ نے فرمایا کہ تمہارے اس ساتھی کو ابوالزناد سے کتنی رقم ملنے کی توقع ہے؟ اُس نے کہا ہزار روپے، آپ نے فرمایا میں اُسے پانچ ہزار روپے دے دیتا ہوں، لیکن میں اِس کام کے لیے اپنے آپ کو صرف نہیں کرسکتا۔ وہ شخص بولا اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے کہ یہ رقم تو اِس کی توقع سے کہیں بڑھ کر ہے[۱]،،

(۳) صَلْت بن بِسطام تمیمیؒ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: حماد بن ابی سلیمانؒ میرے پاس ملاقات کے لیے آتے سارا دن میرے پاس ٹھہرتے اور کچھ بھی نہ کھاتے پیتے، لیکن جب جانے لگتے تو فرماتے تکیہ کے نیچے جو چیز ہے وہ لے لیجیے اور بچوں سے کہیے کہ وہ اِسے کام میں لائیں۔ بِسطام کہتے ہیں (حضرت حمادؒ تو یہ کہہ کر چلے جاتے) میں جب تکیے کے نیچے دیکھتا تو وہاں سے ڈھیروں درہم نکلتے[۲]،،

(۴) صلت بن بسطامؒ فرماتے ہیں کہ حضرت حماد بن ابی سلیمانؒ رمضان المبارک کے مہینے میں ہر روز پچاس آدمیوں کا روزہ کھلواتے تھے اور عید کی رات ہر ایک کو کپڑے دیتے

---

[۱] تہذیب الکمال ج:۷،ص:۲۷۸ ۔ [۲] اخبار اصفہان ج:۱،ص:۲۸۹

تھے[1] اور ساتھ میں سوسو روپے بھی دیتے تھے[2]۔

(۵) علامہ ذہبی شافعی رحمہ اللہ (م:۷۴۸ھ) فرماتے ہیں:

”بَلَغَنَا اَنَّ حَمَّادًا کَانَ ذَا دُنْیًا مُتَّسِعَةً وَّاَنَّہٗ کَانَ یُفَطِّرُ فِیْ شَھْرِ رَمَضَانَ خَمْسَ مِئَةِ اِنْسَانٍ وَّاَنَّہٗ کَانَ یُعْطِیْھِمْ بَعْدَ الْعِیْدِ لِکُلِّ وَاحِدٍ مِئَةَ دِرْھَمٍ[3]“

ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت حماد بڑے مالدار تھے، رمضان المبارک میں پانچ سو آدمیوں کا روزہ افطار کرواتے تھے اور عید کے بعد ہر ایک کو سوسو درہم دیتے تھے،

حضرت حمادؒ کی اس جودوسخا کا بڑے بڑے حضرات کو اعتراف تھا، چنانچہ مشہور صوفی بزرگ حضرت داؤد طائی رحمہ اللہ (م:۱۶۵ھ) فرماتے ہیں:

کَانَ حَمَّادُ بْنُ اَبِیْ سُلَیْمَانَ سَخِیًّا عَلَی الطَّعَامِ جَوَّادًا بِالدَّنَانِیْرِ وَالدَّرَاھِمِ[4]

حضرت حماد بن ابی سلیمانؒ کھلانے پلانے کے معاملے میں بڑے سخی تھے اور درہم و دینار کی بڑی سخاوت کرتے تھے۔

حضرت اسحاق بن سلیمانؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت امام ابوحنیفہ کے صاحبزادے حمادؒ کو یہ فرماتے ہوئے سنا

”لَمْ یَکُنْ بِالْکُوْفَةِ اَسْخٰی عَلٰی طَعَامٍ وَّمَالٍ مِّنْ حَمَّادِ بْنِ اَبِیْ سُلَیْمَانَ[5]

---

[1] اخبار اصفہان ج:۱، ص:۲۹۰ ، [2] مناقب ابی حنیفہ للامام الموفق ص:۴۹ ، [3] سیر اعلام النبلاء ج:۵، ص:۲۳۴ ، [4] اخبار اصبہان ج:۱، ص:۲۹۰ ، [5] تہذیب الکمال ج:۵، ص:۲۷۸

کوفہ کے اندر کھلانے پلانے اور مال کی سخاوت کرنے میں
حضرت حماد بن ابی سلیمانؒ سے بڑھ کر کوئی نہیں ہوا۔

حضرت حمادؒ کا حلم ووقار:

حضرت حمادؒ نے جب سے اپنے حلقۂ درس میں فقہاء کا انداز اپنایا اور ''ایمان'' کے بارے میں فقہاء محدثین کا موقف اختیار کیا اُس وقت سے بعض محدثین ان پر تعریض کرنے لگے، حضرت حمادؒ کے سامنے جب کوئی کسی محدث کی بات نقل کرتا تو آپ جوش میں آنے کے بجائے بڑے صبر وتحمل سے جواب دیتے، چنانچہ

''حضرت معمرؒ کہتے ہیں کہ ہم جب ابو اسحاق کے پاس آتے تو وہ ہم سے پوچھتے کہاں سے آرہے ہو؟ ہم کہتے حماد کے پاس سے، وہ کہتے مَاقَالَ لَكُمْ اَخُو الْمُرْجِئَةِ؟ مرجئہ کے بھائی نے تم سے کیا کہا؟ پھر جب حماد کے پاس جاتے تو وہ ہم سے پوچھتے کہ کہاں سے آرہے ہو؟ ہم کہتے ابو اسحاق کے پاس سے، حمادؒ فرماتے کہ شیخ (ابو اسحاق) کو لازم پکڑ لو کہیں ایسا نہ ہو کہ اُن کی زندگی کا چراغ گل ہو جائے، لیکن ہوا ایسے کہ حماد ان سے پہلے ہی فوت ہو گئے[1]۔

حضرت حمادؒ کا خوف وخشیت:

مالک بن اسماعیلؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی والدہ کو جو حماد بن ابی

---

[1] سیر اعلام النبلاء ج:۵،ص:۲۳۳

سلیمانؒ کے صاجزادے اسماعیلؒ کی بیٹی تھیں۔ یہ فرماتے ہوئے سنا کہ

"رُبَمَا رَأَیْتُ الْمُصْحَفَ فِیْ حِجْرِ جَدِّیْ حَمَّادِ بْنِ أَبِیْ سُلَیْمَانَ وَدُمُوْعُہ فِی الْوَرَقِ[1]"

اکثر ایسا ہوتا کہ میں اپنے دادا حماد بن ابی سلیمان کی گود میں قرآن رکھا ہوا دیکھتی اور آپ کے آنسو قرآن کے ورقوں پر گر رہے ہوتے

حضرت حمادؒ محدّثین کی نظر میں:

اَسماءُالرجال کی کتابوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت حماد علیہ الرحمۃ کی بڑے بڑے محدثین وفقہاء نے تعریف وتوثیق کی ہے

(۱) حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ جو آپ کے اَرشد تلامذہ میں سے ہیں اُن سے جب یہ سوال ہوا کہ جن فقہاء کو آپ نے دیکھا ہے اُن میں سب سے بڑے فقیہ کون ہیں؟ تو آپ نے فرمایا

"مَارَأَیْتُ اَفْقَہَ مِنْ حَمَّادٍ[2]"

حضرت حمادؒ سے بڑا کوئی فقیہ میں نے نہیں دیکھا

حضرت امام صاحبؒ حضرت حماد کو امام زہریؒ سے بھی بڑا فقیہ جانتے تھے چنانچہ مسئلہ رفع یدین پر جب آپ کی امام اوزاعیؒ سے بات چیت ہوئی تھی تو آپ نے حضرت حمادؒ کو امام زہریؒ کے مقابلے میں پیش کیا تھا اور امام اوزاعیؒ نے اس کی تردید نہیں کی تھی، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہ دلچسپ مناظرہ نذر قارئین کیا جائے، ملاحظہ فرمایئے

---

[1] طبقات ابن سعد ج:۶، ص:۳۳۳ ، [2] مناقب ابی حنیفہ للامام الموفق ص:۴۸

''حضرت سفیان بن عُیینہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ مکۃ مکرمہ میں دار الحناطین میں حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام اوزاعیؒ ایک دوسرے سے ملے، امام اوزاعیؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے کہا کہ آپ لوگوں کو کیا ہو گیا کہ نماز میں رکوع میں جاتے اور رکوع سے سر اُٹھاتے وقت رفع یدین نہیں کرتے؟ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا: اس سبب سے کہ اس سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی صحیح حدیث (جو سالم عن الاضطراب والمعارضۃ ہو) نہیں ملی، امام اوزاعیؒ نے کہا کہ صحیح حدیث کیوں نہیں ہے۔ البتہ حدیث بیان کی مجھ سے زہریؒ نے اُنہوں نے سالمؒ سے روایت کی اُنہوں نے اپنے والد عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کی اُنہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے، کہا کہ آپ رفع یدین کرتے جب نماز شروع فرماتے اور رکوع میں جانے اور اُس سے اٹھنے کے وقت، امام ابوحنیفہؒ نے اُن سے کہ کہا کہ حدیث بیان کی ہم سے حمادؒ نے اُنہوں نے روایت کی ابراہیمؒ سے اُنہوں نے روایت کی علقمہؒ اور اَسودؒ سے اُنہوں نے عبد اللہ بن مسعودؓ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رفع یدین نہیں کرتے تھے، مگر نماز کے شروع میں (تکبیرِ تحریمہ کے وقت) پھر کسی اور جگہ نہیں کرتے تھے، اس پر اوزاعیؒ کہنے لگے کہ میں آپ کو حدیث بیان کر رہا ہوں زہریؒ سے وہ سالمؒ سے اور وہ

اپنے والد سے (اس سے امام اوزاعی کا مقصد علوِ سند کی وجہ سے حدیث کو ترجیح دینا تھا کیونکہ اِن کی سند میں تین راوی ہیں) اور آپ کہتے ہیں کہ حدیث بیان کی مجھ سے حمادؒ نے اور اُنہوں نے روایت کی ابراہیمؒ سے (گویا امام اوزاعیؒ کی نظر میں یہ سند عالی نہیں تھی کیونکہ اِس میں چار راوی ہیں) امام ابوحنیفہؒ نے ان سے کہا کہ حمادؒ زہریؒ سے بڑے فقیہ ہیں اور ابراہیمؒ سالمؒ سے بڑے فقیہ ہیں اور علقمہؒ فقہ میں حضرت ابن عمرؓ سے کچھ کم نہیں اگرچہ حضرت ابن عمرؓ کو شرفِ صحابیت حاصل ہے اور اَسود کو بہت کچھ فضیلت حاصل ہے پھر عبداللہ بن مسعودؓ تو عبداللہ بن مسعودؓ ہی ہیں اس پر اوزاعیؒ خاموش ہو گئے[1]۔"

(حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مقصد یہ ہے کہ حدیث کو ترجیح علوِ سند سے نہیں، فقاہتِ راوی سے حاصل ہوتی ہے اور آپ کی سند میں چونکہ تمام کے تمام راوی فقہاء ہیں اس لیے آپ کی روایت کو ترجیح حاصل ہونی چاہیے نہ کہ امام اوزاعیؒ کی روایت کو)

(۲) ابواسحاق شیبانیؒ فرماتے ہیں:

"مَارَأَيْتُ اَحَدًا اَفْقَهَ مِنْ حَمَّادٍ قِيْلَ: وَلاَ الشَّعْبِيُّ؟ قَالَ وَلاَ الشَّعْبِيُّ[2]"

میں نے کوئی ایسا عالم نہیں دیکھا جو حمادؒ سے بڑا فقیہ ہو، آپ

---

[1] مسند الامام اعظم مع حاشیہ تنسیق النظام ص:۵۰، [2] تہذیب الکمال ج:۷، ص:۲۷۴

سے سوال ہوا کہ شعبیؒ بھی آپ سے بڑے فقیہ نہیں ہیں؟ فرمایا شعبیؒ بھی نہیں ہیں،

(۳) سفیان بن عیینہؒ حضرت معمرؒ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ فرماتے تھے:

"لَمْ اَرَمِنْ هٰؤُلَاءِ اَفْقَهَ مِنَ الزُّهْرِيِّ وَحَمَّادٍ وَقَتَادَةَ"[۱]

میں نے زہری، حماد اور قتادہ سے بڑا کوئی فقیہ نہیں دیکھا۔

(۴) عبدالرزاق حضرت معمرؒ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

"مَارَأَيْتُ مِثْلَ حَمَّادٍ"[۲] میں نے حمادؒ جیسا کوئی شخص نہیں دیکھا

(۵) سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں

"مَا كَانَ بِالْكُوفَةِ مِثْلَ الْحَكَمِ وَحَمَّادٍ"[۳]

کوفہ میں حکم بن عتیبہ اور حماد بن ابی سلیمان جیسا کوئی شخص نہیں ہوا

(۶) ابن عابسؒ کہتے ہیں

"سَمِعْتُ حَمَّادَ بْنَ سَلَمَةَ يَقُوْلُ: كَانَ مُفْتِي الْكُوْفَةِ وَالْمَنْظُوْرُ اِلَيْهِ فِي الْفِقْهِ بَعْدَ مَوْتِ اِبْرَاهِيْمَ النَّخَعِيِّ حَمَّادَ بْنَ اَبِيْ سُلَيْمَانَ"[۴]

میں نے حماد بن سلمہؒ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ حضرت ابراہیم نخعیؒ کی وفات کے بعد کوفہ کے مفتی اور وہ شخص جن کی طرف فقہ میں نظر اُٹھتی تھی وہ حماد بن ابی سلیمان تھے۔

---

[۱] تہذیب الکمال ج:۷، ص:۲۷۵، [۲] ایضاً ج:۷، ص:۲۷۵، [۳] تذکرۃ الحفاظ ج:۱، ص:۱۱
[۴] اخبار ابی حنیفہ واصحابہ للامام الصیمری ص:۷

(۷) ابن مبارکؒ فرماتے ہیں

''سَمِعْتُ دَاوُدَ الطَّائِیَّ یَقُوْلُ: کَانَ مُفْتِی النَّاسِ بِالْکُوْفَةِ حَمَّادَ بْنَ أَبِیْ سُلَیْمَانَ[1]''

میں نے حضرت داؤد طائیؒ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ کوفہ میں لوگوں کے مفتی حضرت حمادؒ بن ابی سلیمان تھے۔

(۸) حضرت بقیہؒ فرماتے ہیں

''قُلْتُ لِشُعْبَةَ: حَمَّادُ بْنُ أَبِیْ سُلَیْمَانَ؟ فَقَالَ کَانَ صَدُوْقَ اللِّسَانِ[2]''

میں نے امام شعبہؒ سے حماد بن ابی سلیمانؒ کے بارہ میں پوچھا تو فرمایا کہ وہ صدوق اللسان ہیں یعنی انتہائی سچی زبان والے۔

(۹) یحیٰ بن مَعین فرماتے ہیں

''سَمِعْتُ یَحْیَی بْنَ سَعِیْدٍ یَقُوْلُ حَمَّادٌ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ مُغِیْرَةَ[3]''

میں نے یحیٰ بن سعید القطانؒ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ مجھے حماد مغیرہ (بن مِقسم) سے زیادہ محبوب ہیں (یاد رہے کہ مغیرہ بن مِقسم صحاح ستہ کے راوی ہیں)

(۱۰) اسحاق بن منصورؒ یحیٰ بن معین سے نقل کرتے ہیں

''سُئِلَ عَنْ مُغِیْرَةَ وَحَمَّادٍ اَیُّهُمَا اَثْبَتُ؟ قَالَ حَمَّادٌ وَقَالَ: حَمَّادٌ ثِقَةٌ[4]'' کہ اُن سے سوال ہوا کہ مغیرہ بن

---

[1] اخبار ابی حنیفہ واصحابہ للامام الصیمری ص:۷، [2] تہذیب الکمال ج:۷،ص:۲۷۵ ، [3] ایضا [4] ایضا ص:۲۷۶

مقسمؒ اور حمادؒ میں سے کون اَثبت ہیں؟ فرمایا: حماد، نیز فرمایا کہ حماد ثقہ ہیں

(۱۱) یحیٰ بن مَعینؒ سے مروی ہے کہ وہ حماد بن ابی سلیمانؒ کو ابو معشر (زیاد بن کلیب) پر مقدم رکھتے تھے[1] (یاد رہے کہ ابو معشر مسلم شریف کے راوی ہیں)

(۱۲) امام عجلیؒ فرماتے ہیں:

"حَمَّادُ بْنُ أَبِیْ سُلَیْمَانَ کُوْفِیٌّ ثِقَةٌ وَکَانَ مِنْ اَفْقَهِ اَصْحَابِ اِبْرَاهِیْمَ[2]"

حماد بن ابی سلیمان کوفی ثقہ ہیں اور آپ ابراہیم نخعی کے شاگردوں میں سب سے بڑے فقیہ ہیں

(۱۳) امام نسائیؒ فرماتے ہیں،

"ثِقَةٌ اِلَّا اَنَّه' مُرْجِی[3]" حماد ثقہ ہیں اِلَّا یہ کہ مرجیٔ ہیں

(۱۴) ابن نُمَیرؒ فرماتے ہیں:

"مَا اَحَدٌ اَمَنَّ عَلَیَّ بِعِلْمٍ مِنْ حَمَّادٍ[4]" مجھ پر کسی نے بھی حماد سے زیادہ علم کے متعلق احسان نہیں کیا،

(۱۵) فضل بن زیادؒ کہتے ہیں

"سَمِعْتُ اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ وَسُئِلَ اَیُّمَا اَصَحُّ حَدِیْثًا حَمَّادٌ اَوْ اَبُوْ مَعْشَرٍ قَالَ حَمَّادٌ اَصَحُّ حَدِیْثًا مِنْ اَبِیْ مَعْشَرٍ[5]"

---

[1] تہذیب الکمال ج:۷، ص:۲۷۶ ، [2] ایضاً ص:۲۷۶ ، [3] ایضاً ص:۲۷۷ ، [4] ایضاً ص:۲۷۴ ، [5] ایضاً ص:۲۷۳

میں نے ابوعبداللہ (امام احمد بن حنبلؒ) سے سُنا اُن سے سوال ہوا تھا کہ حدیث (کی روایت) میں حمادؒ اور ابومعشرؒ میں سے زیادہ صحیح کون ہیں؟ آپ نے فرمایا حمادؒ زیادہ صحیح ہیں۔

(۱۶) امام شعبہؒ فرماتے ہیں:

”سمعت الحکم یقول: ومن فیھم مثلُ حماد یعنی اھل الکوفة[1]“

میں نے حَکَمْ بن عُتَیْبَہؒ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اہلِ کوفہ میں حمادؒ جیسا کون ہوسکتا ہے۔

(۱۷) ابن عدیؒ فرماتے ہیں

”وحماد کثیر الروایةِ خاصةً عن ابراھیم، ویقع فی حدیثه اَفراداً و غرائب و ھو متماسکٌ فی الحدیث لا باس به ویحدّث عن ابی وائل وغیرہ بحدیثٍ صالحٍ[2]“

حمادؒ کثیر الروایۃ ہیں، خاص کر ابراہیم نخعی سے، اور اُن کی روایت میں اُفراد[3] و غرائب (حدیثیں) واقع ہوتی ہیں وہ متماسک فی الحدیث ہیں اور اُن سے روایت لینے میں کسی قسم کا مضائقہ نہیں ہے اور وہ ابووائل وغیرہ سے صالح حدیث نقل کرتے ہیں۔

---

۱ تہذیب الکمال ج:۷، ص:۲۷۴ ، ۲ تہذیب الکمال ج:۷، ص:۲۷۷ ، ۳ اُفراد، فرد کی جمع ہے، فرد اُس حدیث کو کہتے ہیں جس کی روایت کسی خاص فرد یا کسی خاص مقام کے اُفراد کے ساتھ مخصوص و منحصر ہو، غرائب، غریب کی جمع ہے۔ غریب اُس حدیث کو کہتے ہیں جس کے سلسلۂ سند میں کہیں نہ کہیں ایک راوی ہو

(۱۸) امام حاکمؒ (م: ۴۰۵ھ) اپنی کتاب ''معرفۃ علوم الحدیث'' میں انچاسویں نوع ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''هذا النوع من هذه العلوم معرفة الائمة الثقات المشهورين من التابعين واتباعهم ممن يجمع حديثهم للحفظ والمذاكرة والتبرك بهم وبذكرهم من الشرق الى الغرب[1]''

علوم الحدیث کی اِس نوع میں تابعین اور تبع تابعین کے اُن مشاہیر ائمۂ ثقات کا تذکرہ ہوگا جن کی حدیثیں اِس لیے اکٹھی کی جاتی ہیں کہ اُنھیں زبانی یاد کیا جائے، اُن کا مذاکرہ کیا جائے اور جن سے تبرک حاصل کیا جاتا ہے اور جن کا ذکر مشرق سے لے کر مغرب تک ہے

اس کے بعد امام حاکمؒ نے مختلف علاقوں کے محدِّثین کا تذکرہ کر کے کوفہ کے محدِّثین کا بڑی تفصیل کے ساتھ تذکرہ کیا ہے اور اِن میں حضرت امام حماد بن ابی سُلَیمان کوفیؒ کو بھی شامل فرمایا ہے، ملاحظہ فرمایئے ''معرفۃ علوم الحدیث'' صفحہ ۲۴۴، اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام حاکمؒ کے نزدیک حضرت حمادؒ اُن جلیل القدر محدِّثین میں سے ہیں جن کی حدیثیں زبانی یاد کرنے اور مذاکرۂ علمی کے لیے اکٹھی جاتی ہیں اور جن کے تذکرہ سے برکت حاصل کی جاتی ہے

(۱۹) علامہ ذہبی شافعی رحمہ اللہ (م: ۷۴۸ھ) نے اپنی متعدد تصانیف میں امام حمادؒ کا بڑے شاندار الفاظ میں تذکرہ کیا ہے، چونکہ امام ذہبیؒ کو نقدِ رجال

---

[1] معرفۃ علوم الحدیث ص: ۲۴۰

میں استقراءِ تام حاصل ہے اس لیے آپ کا امام حماد رحمہ اللہ کا بہترین الفاظ میں تذکرہ کرنا امام حمادؒ کی جلالتِ شان اور علوِ مرتبہ کی بڑی وزنی دلیل ہے۔

امام ذہبیؒ اپنی کتاب ''سیر أعلام النبلاء'' میں امام حمادؒ کا تذکرہ اِن اَلفاظ سے شروع فرماتے ہیں:

''العلامة الامام فقيه العراق .... وكان احد العلماء الاذكياء والكرام الاسخياء له ثروة وحشمة وتجمل[1] ''

علامہ امام، ملکِ عراق کے فقیہ آپ انتہائی ذکی وذہین علماء اور محترم ومعزز سخیوں میں سے ایک تھے، آپ کو دولت وثروت، جاہ وحشمت اور حسن وخوبصورتی حاصل تھی۔

ایک دوسرے مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

''ثقة، امامٌ، مجتهدٌ وكريمٌ جوادٌ[2] ''

آپ ثقہ ہیں، امام ہیں، مجتہد ہیں، بڑے بزرگ اور سخی ہیں

مزید رقم طراز ہیں:

''فافقه اهل الكوفة علي وابن مسعود وافقه اصحابهما علقمة وافقه اصحابه ابراهيم وافقه اصحاب ابراهيم حمادٌ وافقه اصحاب حماد ابو حنيفة وافقه اصحابه ابو يوسف، وانتشر اصحابُ ابي يوسف في الآفاق وافقههم محمد،

---

[1] سیر اعلام النبلاء ج:۵،ص:۲۳۱ ، [2] الکاشف ج:۱،ص:۱۸۸

واقفہ اصحاب محمّد ابو عبد اللہ الشافعی رحمھم اللہ تعالیٰ[1] ''

اہلِ کوفہ کے سب سے بڑے فقیہ حضرت علی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما ہیں، ان دونوں حضرات کے شاگردوں میں سب سے بڑے فقیہ علقمہ بن قیس ؒ ہیں اور علقمہ ؒ کے شاگردوں میں سب سے بڑے فقیہ ابراہیم نخعیؒ ہیں اور ابراہیمؒ کے شاگردوں میں سب سے بڑے فقیہ حمادؒ ہیں اور حمادؒ کے شاگردوں میں سب سے بڑے فقیہ ابو حنیفہؒ ہیں اور ابو حنیفہؒ کے شاگردوں میں سب سے بڑے فقیہ قاضی ابو یوسفؒ ہیں، قاضی ابو یوسفؒ کے شاگرد سارے جہان میں پھیل گئے اُن سب میں سب سے بڑے فقیہ امام محمدؒ ہوئے اور امام محمدؒ کے شاگردوں میں سب سے بڑے فقیہ امام شافعیؒ ہوئے، رحمہم اللہ تعالیٰ

(۲۰) علامہ جلال الدین سیوطی شافعی رحمہ اللہ (م:۹۱۱ھ) نے حضرت حمادؒ کو اپنی کتاب ''طبقات الحفاظ'' میں چوتھے طبقے کے حفاظِ حدیث میں ذکر کیا ہے جو صغار تابعین کا طبقہ[2] ہے۔

(۲۱) حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے امام حمادؒ سے بخاری شریف میں ایک مقام پر تعلیقاً روایت لی ہے اور متعدد مقامات پر آپ کے اقوال استشہاداً پیش فرمائے ہیں۔ طلبہ حدیث کے فائدہ کے لیے حضرت حمادؒ کی روایت اور

---

[1] سیر اعلام النبلاء ج:۵، ص:۲۳۶ ، [2] طبقات الحفاظ ص:۵۵ طبع بیروت

اَقوال کو یہاں ذکر کیا جاتا ہے، حضرت امام بخاری رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

"قَالَ حَمَّادٌ عن ابراھیمَ اِنْ کَانَ عَلَیْھِمْ اِزَارٌ فَسَلِّمْ وَاِلَّا فَلَا تُسَلِّمْ"[1]

حضرت حمادؒ حضرت ابراہیم نخعیؒ سے روایت فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر حمام والے تہہ بند باندھے ہوئے ہوں تو انہیں سلام کرلو ورنہ نہ کرو۔

ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

"وَقَالَ حَمَّادٌ لَا بَأْسَ بِرِیْشِ الْمَیْتَۃِ"[2]

حضرت حماد فرماتے ہیں کہ مردار کے بال اور پروں میں کوئی مضائقہ نہیں۔

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کا موقف یہ ہے کہ اگر پانی میں نجاست گر جائے تو جب تک رنگ، بو، مزہ نہ بدلے اس وقت تک پانی ناپاک نہیں ہوتا، اپنے اِس موقف کو ثابت کرنے کے لیے امام بخاریؒ نے مختلف ائمہ مجتہدین کے اَقوال ذکر کیے ہیں جن میں حضرت حمادؒ بھی ہیں، فرماتے ہیں کہ اگر مردار کے بال و پر پانی وغیرہ میں گر گئے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا پانی پاک رہے گا۔ اس سے امام بخاریؒ کے موقف کی تائید ہوئی ہے کیونکہ مردار کے بال و پر مردار کی طرح ناپاک ہوتے ہیں لیکن امام حمادؒ کے نزدیک جب ان کے پانی میں گرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تو معلوم ہوا کہ پانی میں نجاست گرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا جب تک کہ اس کا رنگ، بو، مزہ نہ بدلے، یاد رہے کہ یہ امام بخاریؒ

---

[1] بخاری ج:۱، ص:۳۰ باب قراءۃ القرآن بعد الحدث ، [2] بخاری ج:۱، ص:۳۷ باب ما یقع من النجاسات فی السمن والماء

کا موقف ہے احناف کا یہ موقف نہیں ہے اُن کے یہاں اگر پانی تھوڑا ہو تو نجاست گرنے سے ناپاک ہو جاتا ہے چاہے اس کا رنگ، بو، مزہ بدلے یا نہ بدلے۔

ایک اور مقام پر حضرت امام بخاریؒ حضرت حمادؒ کا قول استشہاداً پیش فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

"قَالَ حَمَّادٌ: إِذَا أَقَرَّ مَرَّةً عِنْدَ الْحَاكِمِ رُجِمَ يَعْنِي الزَّانِي"[1]

حضرت حمادؒ فرماتے ہیں کہ زانی جب حاکم کے سامنے ایک مرتبہ اقرار کرلے تو اُسے سنگسار کر دیا جائے گا۔

حضرت امام مسلمؒ نے حضرت حمادؒ سے مقروناً روایت لی ہے۔ حضرت امام ترمذیؒ، امام ابوداؤدؒ، امام نسائیؒ اور امام ابن ماجہؒ وغیرہ نے آپ سے کثیر تعداد میں روایتیں لی ہیں۔ ان کے علاوہ دیگر کتبِ حدیث میں حضرت حمادؒ کی بڑی تعداد میں روایات پائی جاتی ہیں بالخصوص "کتاب الآثار" میں۔

حضرت حمادؒ پر بعض محدثین کی جرح کا جواب:

قارئین کرام! آپ نے مندرجہ بالا اقوال سے اندازہ کرلیا ہوگا کہ حضرت حمادؒ کی بڑے بڑے ائمہ جرح وتعدیل نے توثیق کی ہے۔ لہٰذا آپ کی شخصیت اور آپ کی روایت پر کسی قسم کا کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے بالخصوص جبکہ آپ سے روایت کرنے والے امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام شعبہ بن حجاجؒ اور امام سفیان ثوریؒ جیسے کبار محدثین ہوں، تاہم بعض محدثین نے آپ پر جرحیں بھی کی ہیں۔ جہاں تک ہمارا خیال ہے یہ جرحیں ایسی نہیں ہیں کہ جن کی وجہ سے امام حمادؒ

[1] بخاری ج:۲، ص:۱۰۶۳، باب الشہادۃ تکون عند الحاکم

کی شخصیت اوران کی روایت میں کسی قسم کا ضعف آتا ہو، کیونکہ یہ جرحیں ایسی ہیں جو صحیحین کے بہت سے راویوں میں بھی پائی جاتی ہیں لیکن بایں ہمہ نہ اِن راویوں کو ضعیف گرادانا جاتا ہے اور نہ ہی اِن کی روایت ضعیف قرار دی جاتی ہَے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حمادؒ کی شخصیت پر کی جانے والی جرحوں کو ذکر کر کے اُن کا جواب دے دیا جائے تا کہ حضرت حمادؒ کا تذکرہ کسی جہت سے تشنہ نہ رہے اور کوئی حرِماں نصیب، امام حمادؒ کا مخالف اِن کی شخصیت کے بارہ میں کسی سادہ لوح کو گمراہ نہ کر سکے، لیجیے حضرت حمادؒ پر کی جانے والی جرحیں اور اُن کا جواب ملاحظہ فرمایے:

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی رحمہ اللہ (م:۸۵۲ھ) تحریر فرماتے ہیں:

”حماد بن ابی سلیمان مسلم الا شعری مولا هم ابو اسماعیل الکوفی فقیه صدوق، لهٗ اَوهام من الخامسة رمی بالا رجاء مات سنۃ عشرین او قبلَها[۱]“

حضرت حمادؒ: ابو سلیمان جن کا اصل نام مسلم ہے اُن کے صاجزادے ہیں اَشعری کہلاتے ہیں، کیونکہ اَشعریین کے آزاد کردہ غلام ہیں اِن کی کنیت ابو اسماعیل ہَے، کوفہ کے رہنے والے ہیں، فقیہ ہیں صدوق ہیں اِن کے کچھ اَوہام بھی ہیں، پانچویں درجے کے راوی ہیں اِن پر اِرجَاء کا الزام عائد کیا گیا ہَے، ۱۲۰ھ یا اس سے قبل وفات ہوئی ہے۔

حافظ صاحبؒ کی اِس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ امام حمادؒ پر دو جرحیں کی گئی ہیں پہلی یہ کہ ان کے کچھ اَوہام ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں وہم ہوتا ہے،

[۱] تقریب التھذیب ص:۸۲

دوسری یہ کہ ان کے متعلق اِرجاء کا الزام عائد کیا گیا ہے، پیچھے امام نسائیؒ کا قول گزر چکا ہے انہوں نے بھی حضرت حمادؒ کو ثقہ قرار دینے کے باوجود مرجی لکھا ہے

عبدالرحمٰن بن ابی حاتمؒ کہتے ہیں۔

''سمعتُ ابی و ذکر حمادَ بنَ أبی سلیمانَ فقال: ھو صدوقٌ لا یُحتَجُّ بحدیثه، وھو مستقیمٌ فی الفِقْه، فاذا جاء الآثارُ شَوَّشَ[1]''

میں نے اپنے والد (ابوحاتم) کو حضرت حمادؒ کا تذکرہ کرتے ہوئے سنا: آپ نے فرمایا وہ صدوق ہیں، لیکن ان کی حدیث سے احتجاج نہیں کیا جا سکتا، وہ فقہ میں تو مستقیم ہیں لیکن جب حدیث آتی ہے تو پریشان ہو جاتے ہیں۔

ابوحاتمؒ کے اس قول سے معلوم ہوا کہ امام حمادؒ پر تیسری جرح یہ ہے کہ وہ احتجاج کے قابل نہیں ہیں اور چوتھی یہ کہ اِنہیں صرف فقہ سے شغف ہے، حدیث آتی ہے تو پریشان ہو جاتے ہیں۔

اب اِن چاروں جرحوں کا جواب ملاحظہ فرمایئے:

پہلی اور دوسری جرح کا جواب یہ ہے کہ یہ معمولی قسم کی مبہم جرحیں ہیں جن سے راوی کا ضعف اور اس کی روایت کا ضعیف ہونا لازم نہیں آتا، کیونکہ ایسا کون شخص ہے جو کبھی بھولا نہ ہو یا اُس سے غلطی اور خطا سرزد نہ ہوئی ہو یا اُس کو وہم نہ ہوا ہو، اسی لیے محدثین نے یہ طے قرار دیا ہے کہ راوی کو وہم ہو کر اُس سے غلطی کا سرزد ہونا یا اُس کے حافظے میں کچھ قصور ہونا یا اُس کا کسی مبتدع فرقہ سے

---

[1] تہذیب الکمال ج:۷، ص:۲۷۶

متہم ہونا اس کی روایت کے مقبول ہونے میں کسی طرح مخل نہیں ہو سکتا اور یہ عیوب بہت ہی خفیف بلکہ کالعدم شمار کیے گئے ہیں اور ایسے لوگوں کی روایت بلا ریب مقبول ہے چنانچہ علامہ نووی شافعیؒ (م: ۶۷۶ھ) شرح مسلم کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"قال ابو علی الغسانی الجیانی: الناقلون سبع طبقاتٍ ثلاث مقبولۃٌ وثلاث متروکۃٌ والسابعۃُ مختلفٌ فیھا فالاُولٰی آئمۃُ الحدیث وحفاظہ وھم الحجۃ علیٰ من خالفھم ویقبل انفرادھم الثانیۃ دونھم فی الحفظ والضبط لحقھم فی بعض روایتھم وھمٌ وغلطٌ والغالب علیٰ حدیثھم الصحۃُ ویصحح ما وھموا فیہ من روایۃ الاُولٰی وھم لاحقون بھم، الثالثۃ جنحت الی مذھب من الاھواء غیر غالیۃ ولا داعیۃ وصح حدیثھا وثبت صدقھا وقل وھمھا فھذہ الطبقات احتمل اھل الحدیث الروایۃ عنھم وعلی ھذہ الطبقات یدور نقل الحدیث[1] الخ

ابو علی[2] غسانیؒ فرماتے ہیں کہ روایت کرنے والوں کے سات طبقے ہیں۔ تین مقبول ہیں، تین متروک ہیں اور ساتواں

---

[1] نووی شرح مسلم ج:۱ص:۱۷، [2] آپ علامہ ابن عبدالبرؒ کے جلیل القدر شاگرد ہیں ۴۹۸ھ میں آپ کی وفات ہوئی ہے

مختلف فیہ ہے (یعنی بعض نے کہا ہے کہ ان کی حدیث
مقبول ہے، بعض نے کہا ہے کہ مردود ہے) تین مقبول میں
سے پہلا طبقہ ائمہ حدیث وحفاظ کا ہے اور وہ اپنے مخالف
روایت کرنے والوں پر حجت ہیں اور ان کی اکیلی روایتیں
قبول کی جاتی ہیں

دوسرا طبقہ وہ ہے جو حفظ وضبط میں ذرا کم ہے اور اُن کی بعض
روایتوں میں وہم اور غلطی لاحق ہوئی ہے مگر غالب اُن کی
حدیث پر صحت ہے اور جس روایت میں اُنہوں نے وہم کیا
ہے اس کی صحت پہلے طبقے سے کی جاتی ہے اور اس طبقے کے
لوگ پہلے طبقے کے راویوں سے ملحق ہیں

تیسرا طبقہ اُن راویوں کا ہے جو کسی مبتدع فرقہ کے مذہب
سے تعلق رکھتے ہیں مگر غالی اور بدعت کے داعی نہیں ہیں، ان
کی حدیث صحت کو پہنچی اور صدق ثابت ہوا اور وہم کم ہوا۔

پس ان تین طبقوں سے محدثین نے روایت کی ہے اور انہی
طبقوں پر محدثین کی روایت دائر ہے۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ کے اس نقل کردہ قول کی روشنی میں حضرت حمادؒ پر کی جانے والی دونوں جرحیں کالعدم ہو جاتی ہیں کیونکہ امام حمادؒ راویوں کے تین مقبول طبقوں میں سے کم از کم دوسرے طبقہ میں ضرور شامل ہیں اور دوسرا طبقہ پہلے طبقہ سے ملحق ہے جو اعلیٰ درجہ کا طبقہ ہے اور دوسرے طبقہ کی روایت پہلے طبقہ کی طرح بلا ریب صحیح ومقبول ہے ورنہ تو پھر صحیحین کے بہت سے راویوں کو (جن کے

بارے میں محدّثین نے کہا ہے کہ انہیں وہم ہوتا ہے اور یہ مرجئی ہیں) ضعیف قرار دے کر اُن کی روایتوں سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔

حضرت حمادؒ پر مرجۂ ہونا کا جو اعتراض کیا گیا ہے مناسب معلوم ہوتا ہے اس کی کچھ وضاحت کردی جائے تا کہ کسی قسم کی غلط فہمی باقی نہ رہے۔

محدثین کے درمیان اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ اَعمال ایمان کا جزء ہیں یا نہیں، بعض محدثین اس کے قائل ہیں کہ اَعمال ایمان کا جزء ہیں اور فقہاء محدّثین کا مسلک یہ ہے کہ اعمال ایمان کا جزء نہیں ہیں پھر وہ محدثین جو اعمال کو ایمان کا جزء مانتے ہیں ان کے نزدیک ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے اور فقہاء محدثین ایمان میں کمی بیشی کے قائل نہیں۔اب اس کے بعد ایک اور مسئلہ پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ جو شخص تارکِ اعمال ہے وہ مومن ہے یا نہیں؟ محدثین اور فقہاءِ اَحناف اس پر متفق ہیں کہ تارکِ اعمال مومن ہے آگے اللہ کی مرضی ہے کہ اسے عذاب دیں یا معاف فرمادیں۔

خوارج کہتے ہیں کہ تارکِ اَعمال کافر ہے، معتزلہ کہتے ہیں کہ نہ کافر ہے نہ مومن، مرجۂ کہتے ہیں کہ اول تو اَعمال ایمان کا جزء نہیں اور ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوتی دوسرے مؤمن کو ترکِ اعمال سے کوئی فرق نہیں پڑتا، یہ گمراہ فرقہ ہے، چونکہ اس فرقہ نے اعمال کے جزءِ ایمان نہ ہونے اور ایمان میں کمی بیشی نہ ہونے کا قول کیا ہے اور یہی اَحناف کا بھی مسلک ہے اس لیے بہت سے محدثین کو دھوکہ لگا اور انہوں نے امام حماد اور ان شاگرد امام ابو حنیفہ رحمہما اللہ کو مرجۂ میں سے سمجھ لیا، حالانکہ فقہاءِ اَحناف اور مرجۂ میں ترکِ عمل کے بارے میں اختلاف ہے، اَحناف محدِّثین کے مذہب کے مطابق ترکِ عمل کو مُضِر سمجھتے ہیں اور مرجۂ مُضِر

نہیں سمجھتے۔ اگر اِن محدثین کی بات مان لی جائے کہ یہ دونوں بزرگ مرجۂ میں سے ہیں تو پھر اس کی توجیہ میں یوں کہا جائے گا کہ مرجۂ دو قسم کے ہیں۔ (۱) مرجۂ مرحومہ (جنہیں مرجۂ اہلِ سنت بھی کہا جاتا ہے اور جن کا ارجاء، ارجاءِ فقہاء کہلاتا ہے جس کی وضاحت علامہ ذہبیؒ کی عبارت میں آگے آرہی ہے) (۲) مرجۂ ملعونہ جو گمراہ فرقہ ہے۔ امام حمادؒ اور امام ابوحنیفہؒ مرجۂ مرحومہ و مرجۂ اہلِ سنت میں سے ہیں نہ کہ مرجۂ ملعونہ میں سے اور اِن کا ارجاء ارجاءِ فقہاء ہے، جس کے بہت سے محدِّثین قائل ہیں

چنانچہ علامہ ابوالشکور سالمی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''ثم المرجئة علی نوعین مرجئة مرحومة وهم اصحاب رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم، ومرجئة ملعونة وهم الذین یقولون بان المعصیة لا تُضَرُّ وَالعاصی لا یُعاقب، وروی عن عثمان بن ابی لیلی انه کتب الی ابی حنیفة رحمة الله علیه وقال انتم مرجیة؟ فاجاجهٗ وقال المرجیة علیٰ ضربین مرجیة ملعونة وانا بریٔ منهم ومرجیة مرحومة وهم اصحاب رسول الله وکتب فیه بان الانبیاء قالوا کذالک آلا تریٰ ان عیسیٰ قال، اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُکَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ[1]''

مرجۂ کی دو قسمیں ہیں (۱) مرجۂ مرحومہ اور وہ صحابۂ کرام

---

[1] التمہید فی بیان التوحید لابی الشکور سالمی ص: ۸۴

ہیں، (۲) مرجئہ ملعونہ، یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ معصیت مضر نہیں یعنی گناہ کرنے سے کوئی نقصان نہیں ہوتا، اور گنہگار کو کوئی سزا نہیں ملے گی، عثمان بن ابی لیلیٰ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت امام ابو حنیفہؒ کو لکھا کہ کیا آپ مرجئہ ہیں؟ آپ نے ان کے جواب میں فرمایا: مرجئہ دو قسم کے ہیں، مرجئہ ملعونہ میں ان سے بری و بیزار ہوں، دوسرے

مرجئہ مرحومہ اور یہ صحابہ کرام ہیں، آپ نے جواب میں یہ بھی تحریر فرمایا کہ انبیاء بھی اسی کے قائل تھے، کیا دیکھتے نہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کیا کہ ”اے خدا! اگر تو انہیں عذاب دینا چاہے تو دے سکتا ہے کہ یہ تیرے بندے اور غلام ہیں اور اگر تو انہیں بخشنا چاہے تو بخش سکتا ہے کہ تو غالب اور حکمت والا ہے

علامہ سالمیؒ کی اس تحریر سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ امام حماد اور امام ابو حنیفہ رحمہما اللہ کا تعلق مرجئہ مرحومہ سے ہے جنہیں مرجئہ اہلِ سنت کہا جاتا ہے اور اس سے تعلق ہونا کوئی عیب کی بات نہیں کہ یہ تو انبیاء کرام و صحابہ عظام کی راہ ہے، مرجئہ ملعونہ سے ان کا کوئی تعلق نہیں اگر ان سے تعلق ہوتا تو یقیناً اعتراض کیا جاسکتا تھا، علامہ سالمیؒ کی تحریر میں چونکہ خود حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی طرف سے وضاحت آچکی ہے کہ ان کا تعلق مرجئہ مرحومہ و مرجئہ اہلِ سنت سے ہے اس کے بعد بھی ان پر اعتراض کرنا سورج پر تھوکنے کے مترادف ہوگا۔

بعض علماء نے امام حمادؒ اور امام ابو حنیفہؒ کو مرجئہ کے لقب سے مُلقّب

کیے جانے کی وجہ یہ لکھی ہے کہ چونکہ امام حمادؒ اور امام ابو حنیفہؒ صدرِ اول کے فرقہ کی مسئلہ قدر میں مخالفت کیا کرتے تھے اور معتزلہ اپنے مخالفین کو مرجئہ کے لقب سے پکارتے تھے اس لیے وہ ان دونوں بزرگوں کو بھی اسی لقب سے پکارنے لگے، یہی حال خارجیوں کے ایک فرقہ وعیدیہ کا تھا، وہ بھی اپنے مخالفین کو مرجئہ کہتے تھے۔ چنانچہ علامہ عبدالکریم شہرستانی (م ۵۴۸ھ) تحریر فرماتے ہیں

"ولہ سبب آخر وهو انه كان يخالف القدرية والمعتزلة الذين ظهروا في الصدر الاول والمعتزلة كانوا يلقبون كل من خالفهم في القدر مرجئا وكذلك الوعيدية من الخوارج فلا يبعد ان اللقب انما لزمه من فريقي المعتزلة والخوارج والله اعلم[1]"

یعنی امام ابوحنیفہؒ کو مرجئہ کے لفظ سے پکارے جانے کا ایک اور سبب یہ بھی ہے کہ امام صاحبؒ ان قدریہ اور معتزلہ کی جو صدرِ اول میں پیدا ہوئے تھے مخالفت کیا کرتے تھے اور معتزلہ لوگ ہر اُس شخص کو جو مسئلہ قدر میں ان کی مخالفت کرتا تھا مرجئہ کے لقب سے پکارتے تھے، ایسا ہی وعیدیہ فرقہ جو خوارج میں سے ہے اپنے مخالف کو مرجئہ کہتا تھا پس کوئی بعید نہیں ہے کہ یہ لقب معتزلہ اور خوارج کے دونوں فرقوں نے امام صاحب پر چسپاں کیا ہو۔

تقریباً یہی بات علامہ آمدیؒ نے کہی ہے، چنانچہ علامہ ابن حجر ہیتمی مکی

---

[1] الملل والنحل ج:۱، ص:۱۸۹ علی حامش الفصل فی الملل والاھواء والنحل

شافعیؒ (م:۹۷۳ھ) تحریر فرماتے ہیں:

"قال الآمدی لعل عذر من عَدَّهٗ من مرجئة اهل السنة ان المعتزلة كانوا في الصدر الاوّل يُلَقَّبون من خالفهم في القدر مرجئا[1]"

علامہ آمدیؒ فرماتے ہیں کہ جنہوں نے امام ابوحنیفہؒ کو مرجۂ اہلِ سنت میں سے شمار کیا ہے شاید اُن کا عذر یہ ہوگا کہ چونکہ معتزلہ لوگ صدرِ اول میں اُس شخص کو جو اُن کی مسئلہ قدر میں مخالفت کرتا تھا مرجیٔ کہا کرتے تھے (اِس لیے اِنہوں نے بھی اُن کی دیکھا دیکھی امام صاحبؒ کو مرجیٔ کہہ دیا ہے)

علامہ شہرستانیؒ اور علامہ آمدیؒ کے ان اَقوال سے دو باتیں معلوم ہوئیں اول یہ کہ امام (حمادؒ اور ان کے شاگرد امام) ابوحنیفہؒ کو جنہوں نے مرجۂ میں شمار کیا ہے۔ اِس سے ان کی مراد مرجۂ اہلِ سنت ہیں نہ کہ مرجۂ ملعونہ جو کہ گمراہ فرقہ ہے، دوم یہ کہ ان کو مرجۂ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ صدرِ اول میں معتزلہ اور خوارج کی مخالفت کیا کرتے تھے اور معتزلہ وخوارج اپنے مخالفین کو مرجۂ کہتے تھے۔ بعینہٖ ایسے ہی جیسا کہ اس زمانے میں اہلِ بدعت اپنے مخالفین کو وہابی کہتے ہیں۔

علامہ شہرستانی اور علامہ آمدی کی بات کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ [illegible] حال میں فقہاءِ اَحناف کے مرجۂ ہونے کے پرچارک بھی وہی لوگ ہیں جو غالی قسم کے خارجی ہیں۔

---

[1] الخیرات الحسان ص:۶۷

علامہ ذہبیؒ (م:۷۴۸ھ) تحریر فرماتے ہیں:

’’قال معمر: قلتُ لحمادٍ: كنتَ رأسا، وكنتَ امامًا في اصحابك فخالفتَهم فصرت تابعًا، قال: اني ان اكون تابعًا في الحق خيرٌ من ان اكونَ رأسا في الباطل قلت: يشير معمر الى انه تحول مرجئا ارجاء الفقهاء وهو اَنّهم لا يعدون الصلوٰة والزكاة من الايمان ويقولون: الايمان اقرار باللسان، ويقين في القلب، والنزاع على هذا لفظيٌ ان شاء الله، وانما غُلُوٌّ الارجاء من قال: لا يضر مع التوحيد ترك الفرائض، نسأل الله العافية[۱]‘‘

حضرت معمرؒ فرماتے ہیں میں نے حمادؒ سے کہا کہ تم تو اپنے اُصحاب میں سردار اور مقتدا و پیشوا کا درجہ رکھتے تھے یہ کیا ہوا کہ تم ان کی مخالفت کر کے تابع بن گئے؟ حضرت حمادؒ نے کہا کہ میں حق بات میں تابع بن کر رہوں یہ اِس سے بہتر ہے کہ باطل میں سردار بن کر رہوں (علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ حضرت معمرؒ کا اشارہ اس طرف ہے کہ حضرت حمادؒ فقہاء کے ارجاء کو اختیار کر کے مرجیٔ بن گئے تھے اور فقہاء کا ارجاء فقط یہ ہے کہ وہ نماز اور زکوٰۃ کو ایمان میں سے

---

[۱] سیر اعلام النبلاء ج:۵،ص:۲۳۳

شمار نہیں کرتے (یعنی ایمان کا جزء نہیں مانتے) اور کہتے ہیں
کہ ایمان زبان سے اقرار کرنے اور دل سے یقین کرنے
کا نام ہے اور اس صورت میں (محدثین کے درمیان) نزاع
صرف لفظی رہ جاتا ہے ان شاء اللہ اور ارجاء میں غلو تو وہ لوگ
کرتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ توحید کے ہوتے ہوئے فرائض
کے چھوڑنے سے کسی قسم کا کوئی نقصان نہیں ہوتا، ہم اللہ تعالیٰ
سے عافیت کے طالب ہیں

علامہ ذہبی "میزان الاعتدال" میں (صحیحین) کے ایک راوی حضرت
مسعر بن کدام کے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"ولا عبرة بقول السليماني: كان من المرجئة
مِسْعَر، وحماد بن ابي سليمان والنعمان
وعمرو بن مرة وعبد العزيز بن ابي رواد وابو
معاوية وعمرو بن ذر، وسرد جماعة" قلت:
الارجاء مذهب لعدة من جلة العلماء ولا ينبغي
التحامل على قائله[1]

سلیمانی کے اس قول کا کوئی اعتبار نہ کیا جائے کہ مسعر بن
کدام، حماد بن ابی سلیمان، نعمان (بن ثابت)، عمرو بن
مرہ، عبد العزیز بن ابی رواد، ابو معاویہ، عمرو بن ذر وغیرہ
مرجئہ میں سے تھے (علامہ ذہبی فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ

[1] میزان الاعتدال ج:۴، ص:۹۹

ارجاء تو بہت سے جلیل القدر علماء کا مذہب ہے، لہٰذا اگر کوئی ارجاء کا قائل ہو تو اُس پر (اعتراض کر کے) ظلم و زیادتی کرنا کسی طرح بھی مناسب نہیں

علامہ شہرستانی تحریر فرماتے ہیں:

"رجال المرجئة كما نقل الحسن بن محمد بن علي بن ابي طالب وسعيد بن جبير وطلق بن حبيب وعمرو بن مرة ومحارب بن دثار ومقاتل بن سليمان وذرّ وعمرو بن ذر وحماد بن ابي سليمان وابو حنيفة وابو يوسف ومحمد بن الحسن وقديد بن جعفر وهؤلاء كلهم ائمة الحديث لم يكفروا اصحاب الكبائر بالكبيرة ولم يحكموا بتخليدهم في النار خلافا للخوارج والقدرية"[1]

مرجیہ لوگ جیسا کہ نقل کیا گیا ہے حسن بن محمد بن علی بن ابی طالب، سعید بن جبیر، طلق بن حبیب، عمرو بن مرۃ، محارب بن دثار، مقاتل بن سلیمان، ذرّ، عمرو بن ذرّ، حماد بن ابی سلیمان، ابوحنیفہ، قاضی ابو یوسف، امام محمد بن حسن اور قدید بن جعفر ہیں۔ یہ سب لوگ ائمہ حدیث ہیں جو گناہِ کبیرہ کے مرتکب کو کافر نہیں کہتے اور نہ اس کے مُخلَّد فی النار ہونے کے قائل ہیں اور یہ لوگ خوارج و قدریہ کے مخالف ہیں۔

---

[1] الملل والنحل ج:۱، ص:۱۱۹۳

اِن تمام تحریرات کا خلاصہ اور ما حصل یہ ہے کہ حضرت حمادؒ کو جو مرجۂ کہا گیا ہے اس سے مراد مرجۂ اہلِ سنت ہیں جن کا ارجاء ارجاءِ فقہاء کہلاتا ہے جس کا مطلب فقط یہ ہے کہ اَعمال ایمان کا جزء نہیں ہیں، ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوتی اور گناہِ کبیرہ کا مرتکب کافر نہیں ہوتا اس کا معاملہ خدا کے سپرد ہے چاہے معاف کر دے چاہے عذاب دے، یہ موقف صرف حضرت حمادؒ ہی کا نہیں ہے بلکہ علامہ ذہبیؒ اور علامہ شہرستانیؒ کی تصریح کے مطابق بڑے بڑے جلیل القدر محدِّثین وفقہاء کا بھی ہے اور ان بیسیوں راویوں کا بھی ہے جن سے بخاری ومسلم نے روایتیں لی ہیں جن میں مسعر بن کدام، ابراہیم بن طہمان جیسے کبار محدِّثین شامل ہیں، اگر مرجۂ اہلِ سنت میں سے ہونا کوئی عیب ہے اور اس وجہ سے وہ راوی ضعیف ہو جاتا ہے تو پھر یہ اعتراض بخاری ومسلم کے بہت سے راویوں پر بھی وارد ہوگا اور اِس وجہ سے ان کی روایات بھی ضعیف قرار دی جائیں گی، اَعاذنا الله منه

رہی امام حمادؒ پر کی جانے والی تیسری اور چوتھی جرح (کہ یہ احتجاج کے قابل نہیں اور حدیث آتی ہے تو پریشان ہو جاتے ہیں) تو اِن کا جواب یہ ہے کہ یہ جرحیں صرف ابو حاتمؒ نے کی ہیں جو ائمہ اَحناف کے بارہ میں انتہائی متشددانہ رویہ رکھتے ہیں۔ لہٰذا اُن کی جرح کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا، اگر ان کی جرحوں کا اعتبار کیا جائے تو پھر امام بخاری رحمہ اللہ سے بھی ہاتھ دھونا پڑے گا کیونکہ اِنہوں نے امام بخاری رحمہ اللہ کو بھی نا قابلِ احتجاج سمجھ کر اُن سے روایت لینی چھوڑ دی تھی۔ ایسی صورت میں اگر یہ امام حمادؒ کو نا قابلِ احتجاج قرار دیں تو کون سی بڑی بات ہے، اس سے قطع نظر ابو حاتمؒ کی بات درایۃً بھی درست نہیں ہے، وجہ یہ ہے کہ جب حضرت حمادؒ کو کبار محدِّثین امام یحیٰ بن سعید القطانؒ، امام عجلیؒ، امام

نسائیؒ، امام ذہبیؒ ثقہ اور ابن عدیؒ متماسک فی الحدیث اور لابأس بہ امام شعبہؒ اور خود ابو حاتمؒ صدوق قرار دے رہے ہیں تو پھر حضرت حمادؒ احتجاج کے قابل کیوں نہیں؟

دوسرے یہ امر بھی قابلِ لحاظ ہے کہ بخاری و مسلم میں بہت سے ایسے راوی ہیں جن پر حضرت حمادؒ سے دس گنا زیادہ جرح کی گئی ہے لیکن وہ پھر بھی قابلِ احتجاج ہیں اور ان کی روایتیں بخاری و مسلم میں موجود ہیں ایسی صورت میں حضرت حمادؒ نے کیا خطا کی ہے کہ وہ قابلِ احتجاج نہیں ہیں؟

رہا ابو حاتمؒ کا یہ کہنا کہ ''حمادؒ فقہ میں تو مستقیم ہیں لیکن حدیث آتی ہے تو پریشان ہو جاتے ہیں'' اگر بنظرِ انصاف دیکھا جائے تو ابو حاتمؒ کی یہ بات بھی قطعًا درست معلوم نہیں ہوتی اِس لیے کہ امام حمادؒ کو ابن عدیؒ کثیر الروایۃ لکھتے ہیں، ابو الشیخ انہیں طبقات المحدثین میں اور علامہ سیوطیؒ انہیں طبقات الحفاظ اور علامہ شہرستانی انہیں ائمہ حدیث میں ذکر کرتے ہیں۔ امام حاکمؒ نے تو انہیں اُن محدثین میں شمار کیا ہے جن کی حدیثیں یاد کرنے کے لیے اکٹھی کی جاتی ہیں اور جن کے تذکرہ سے برکت حاصل کی جاتی ہے، سوچنے کا مقام ہے کہ جو شخص کثیر الروایت حافظ الحدیث اور ائمہ حدیث میں سے ہو وہ حدیث کے سامنے آتے ہی کیسے پریشان ہو سکتا ہے؟ پیچھے گزر چکا ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ امام حمادؒ سے دو ہزار اُحادیث روایت کرتے تھے، امام اعظمؒ جو امام حمادؒ کے براہِ راست شاگرد ہیں دو ہزار اُحادیث اُن سے روایت کرتے ہیں وہ تو کہیں نہیں کہتے کہ امام حمادؒ حدیث آتی تھی تو پریشان ہو جاتے تھے، ابو حاتمؒ جنہوں نے نہ امام حمادؒ کا زمانہ پایا نہ اُن کو دیکھا معلوم نہیں اُنہیں کیسے پتہ چل گیا کہ امام حمادؒ حدیث آتی تھی تو پریشان

ہو جاتے تھے؟

امام ذہبی رحمہ اللہ نے ''تذکرۃ الحفاظ'' میں حافظ عبد اللہ بن وہب دینوری ؒ کا ایک واقعہ تحریر فرمایا ہے، آپ لکھتے ہیں:

''حافظ ابوعلی نیشا پوری ؒ فرماتے ہیں: میں نے عبد اللہ بن وہب دینوری ؒ سے سنا آپ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میں امام ابوزرعہ ؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ ایک خراسانی ان کے سامنے موضوع حدیثیں بیان کر رہا ہے اور ابو زرعہ ؒ روایات کو غلط بتلا رہے ہیں، وہ خراسانی ان کی باتوں پر ہنس رہا ہے کہ واہ کیا خوب جو روایت اُن کو یاد نہیں یہ اُسے غلط بتلا رہے ہیں، ابن وہب ؒ کہتے ہیں کہ میں نے اِس خراسانی سے پوچھا کہ تمہارا مذہب کیا ہے؟ وہ بولا کہ حنفی، میں نے کہا کہ بتاؤ امام ابو حنیفہ ؒ کی بواسطۂ حماد کیا روایات ہیں؟ وہ چپ ہو گیا، پھر میں نے حافظ ابوزرعہ ؒ سے دریافت کیا ''یا ابا زرعة ماتحفظ لابی حنیفة عن حمادٍ؟'' اے ابوزرعہ تمہیں حماد ؒ کی سند سے امام ابو حنیفہ ؒ کی کتنی حدیثیں یاد ہیں؟ اس پر حافظ ابوزرعہ ؒ نے حدیثوں کا سلسلہ شروع کر دیا[1]''

غور فرمایے کیا اس واقعہ کی موجودگی میں بھی کہا جا سکتا ہے کہ امام حماد ؒ حدیث آتی تھی تو پریشان ہو جاتے تھے؟

پھر یہ دیکھیے کہ کبار محدثین امام حماد ؒ کو فقیہ تحریر فرماتے ہیں اور امام ذہبی ؒ

[1] تذکرۃ الحفاظ ج: ۲، ص: ۷۵۴

آپ کو مجتہد اور علامہ لکھتے ہیں اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ کوئی شخص بھی فقیہ مجتہد اور علامہ حدیث دانی کے بغیر نہیں بن سکتا، حیرت کا مقام ہے کہ جس امام کو کبار محدِّثین فقیہ، مجتہد اور علامہ قرار دیں اُس کے بارہ میں یہ کہا جائے کہ وہ حدیث کے سامنے آتے ہی پریشان ہو جاتا ہے، اس لیے ہم یہ سمجھنے پر مجبور ہیں کہ امام حمادؒ پر کی جانے والی جرحیں تشدّد پسندی پر مبنی ہیں ان کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں، اللہ ہم سب پر رحم فرمائے اور سب کی خطاؤں سے درگزر فرمائے، (آمین)

یہی وجہ ہے کہ علامہ ذہبیؒ ''میزان الاعتدال'' میں امام حمادؒ کا تذکرہ فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

''ولو لا ذکر ابن عدی له فی کامله لما اوردته[1]''

اگر ابنِ عدی نے کامل میں اِن کا تذکرہ نہ کیا ہوتا تو میں بھی اِس کتاب میں اِن کا ذکر نہ کرتا۔

اِسی پر اکتفاء کرتے ہوئے ہم حضرت حمادؒ کے تذکرہ کو ختم کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے دُعاء کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اَکابر واَسلاف سے سچی محبت نصیب فرمائے اور اُن کی تحقیر وتنقیص سے ہماری حفاظت فرمائے

وآخر دعوانا ان الحمدللّٰہ رب العٰلمین

---

[1] میزان الاعتدال ج:۱،ص:۵۹۵

کتابیات

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف
۱	القرآن الکریم	
۲	احیاء علوم الدین	ابوحامد محمد بن محمد الغزالی الشافعیؒ
۳	اخبار ابی حنیفہؒ واصحابہؒ	ابوعبداللہ حسین بن علی الصیمریؒ
۴	امام اعظمؒ اور علم حدیث	حضرت مولانا محمد علی صدیقی کاندھلویؒ
۵	الانتقاء	علامہ ابن عبدالبر اُندلسیؒ
۶	تاریخ الاصبہان	ابونعیم اصفہانیؒ
۷	تذکرۃ الحفاظ	ابوعبداللہ محمد بن احمد بن عثمان الذہبی الشافعیؒ
۸	تقریب التہذیب	احمد بن علی بن حجر العسقلانیؒ
۹	التمہید فی بیان التوحید	علامہ ابوالشکور سالمیؒ
۱۰	تہذیب الاسماء واللغات	محی الدین ابوزکریا یحیی بن شرف النواویؒ
۱۱	تہذیب الکمال	جمال الدین ابوالحجاج یوسف المزیؒ
۱۲	الخیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمانؒ	شہاب الدین احمد بن حجر المکی الشافعیؒ
۱۳	سیر أعلام النبلاء	ابوعبداللہ محمد بن احمد بن عثمان الذہبیؒ
۱۴	صحیح البخاری	ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاریؒ
۱۵	طبقات ابن سعدؒ	علامہ ابن سعدؒ

۱۶	طبقات الحفاظ	علامہ جلال الدین سیوطی شافعیؒ
۱۷	طبقات المحدِّثین باصبہان	ابو محمد عبداللہ بن محمد بن جعفر بن حیان المعروف بہ ابوالشیخ انصاریؒ
۱۸	العقد الفرید	ابو عمر احمد بن محمد بن عبدربہؒ
۱۹	فتح القدیر للعاجز الفقیر	کمال الدین محمد بن عبدالواحد المعروف بابن الہمامؒ
۲۰	القاموس المحیط	علامہ مجدالدین فروز آبادیؒ
۲۱	الکاشف	ابوعبداللہ محمد بن احمد بن عثمان الذہبیؒ
۲۲	کتاب الضعفاء	الامام العقیلیؒ
۲۳	کتاب الکنیٰ والاسماء	حافظ ابوبشر دولابی حنفیؒ
۲۴	مسند الامام الاعظمؒ مع حاشیہ تنسیق النظام	
۲۵	معرفۃ علوم الحدیث	ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ المعروف بالحاکمؒ
۲۶	الملل والنحل	علامہ عبدالکریم شہرستانیؒ
۲۷	مناقب ابی حنیفۃؒ	حافظ الدین بن محمد الکردری الحنفیؒ
۲۸	مناقب ابی حنیفۃؒ	صدر الائمہ موفق بن احمد المکی حنفیؒ
۲۹	میزان الاعتدال	ابوعبداللہ محمد بن احمد بن عثمان الذہبیؒ
۳۰	النجوم الزاہرہ	جمال الدین ابوالمحاسن یوسف بن تغری بردی الاتابکیؒ
۳۱	نصب الرایہ لاحادیث الہدایہ	جمال الدین ابومحمد عبداللہ بن یوسف الحنفی الزیلعیؒ
۳۲	نووی شرح مسلمؒ	محی الدین ابوزکریا یحیٰی بن شرف النواویؒ
۳۳	ہدی الساری مقدمہ فتح الباری	احمد بن علی بن حجر العسقلانیؒ

تصنیفات وتالیفات

حضرت مولانا نعیم الدین صاحب مدظلہم

اُستاذ الحدیث جامعہ مدنیہ کریم پارک و مدیر صفہ ٹرسٹ لاہور

۱۔جواہر پارے (۳ جلد)

۲۔فضیلت کی راتیں

۳۔شب ِبراءت کی فضیلت

۴۔مسجدِ محلہ میں جماعتِ ثانیہ کا حکم

۵۔اسلام میں حلال وحرام

۶۔اَحکام الجنائز

۷۔نفل نمازوں کے فضائل اور اُن کے پڑھنے کا طریقہ

۸۔منزل مع اضافاتِ جدیدہ

۹۔معمولاتِ یومیہ

۱۰۔چہل اَحادیث

۱۱۔گلدستۂ اَحادیث

۱۲۔تصوف اور صوفیاءِ کرامؒ

۱۳۔حضرت جنید بغدادیؒ

۱۴۔نعمان اور قرآن

۱۵۔جواہرات (۲حصے)

۱۶۔مرزاغلام احمد قادیانی (شخصیت اور کردار)

۱۷۔شکراورفکر(وعظ)

۱۸۔اخلاص اوراتباع(وعظ)

۱۹۔خلاصۃ القرآن(وعظ)

۲۰۔اللہ سے تجارت کیجیے(وعظ)

۲۱۔باباجی عبدالمعبود کی صدائے بازگشت

۲۲۔فقیہ العراق حضرت حماد بن ابی سلیمان کوفی رحمہ اللہ

۲۳۔عالم ربانی محدثِ کبیر حضرت مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ

۲۴۔رَجُلٌ رَّشِیۡدٌ (حضرت مولانا مفتی قاری عبدالرشید رحمہ اللہ کی مفصل سوانح حیات)

۲۵۔حضرت مولانا محمد عبدالرشید نعمانی رحمہ اللہ

۲۶۔حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ

۲۷۔وکیلِ صحابہ قائدِ اہلِ سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ

۲۸۔شخصیات وتأثرات

۲۹۔تقریظ وتنقید(ماہنامہ انوارِ مدینہ لاہور میں کتب پر تبصرہ جات)

۳۰۔متعدد کتب پر وقیع مقدمات

تعارف وخدمات صفہ ٹرسٹ لاہور

- صفہ ٹرسٹ کے تحت صفہ اکادمی کا باقاعدہ آغاز 22 ذوالحج 1419ھ/ 10 اپریل 1999ء بروز ہفتہ یادگارِ اسلاف مخدوم المشائخ حضرت سیّد نفیس الحسینی شاہ صاحب رحمہ اللہ کی سرپرستی میں آپ کے دست اقدس سے ہوا تھا، اس موقع پر کل سات طلبہ نے قاعدہ اور ناظرہ کی کلاسوں میں داخلہ لیا تھا، اب بحمداللہ طلباء کی تعداد تین سو سے متجاوز ہے اور بہت سے طلبہ حفظِ قرآن کی دولت سے سرفراز ہو چکے ہیں، نیز کلاس اُولیٰ تا کلاس ششم اور شعبہ حفظ سمیت مختلف شعبہ جات میں تعلیم کا سلسلہ جاری ہے،
- صفہ سے الحاق شدہ ''مدرسہ عائشہؓ للبنات'' میں عالمات کے مکمل کورس کا سلسلہ جاری ہے، تقریباً پینتیس طالبات تعلیم حاصل کر رہی ہیں اور دو معلمین اور دو معلمات خدمتِ تدریس میں مصروف ہیں
- صفہ کی زیرِ نگرانی عوام الناس کے لیے شیخ الہندؒ لائبریری کے نام سے ایک دینی لائبریری قائم کی گئی ہے جس میں تفسیر و حدیث، سیرت و سوانح، تاریخ وتذکرہ، فقہ وعقائد، تصوف واخلاق، شعر وادب سے متعلق کتابیں رکھی گئی ہیں جن کی تعداد اب تک پانچ ہزار سے متجاوز ہے
- صفہ کے زیرِ انتظام ''حمیدہ سراج میموریل فری ڈسپنسری'' کے نام سے ۴۷ سانندہ روڈ لاہور پر، فری ڈسپنسری میں عوام الناس کو قریباً چار سال سے بلامعاوضہ علاج کی سہولت مہیا کی جا رہی ہے، جس سے اب تک قریباً پچاس ہزار سے زائد افراد مستفید ہو چکے ہیں

ہم اپنے محدود وسائل میں دینی نہج پر بچوں کی تعلیم وتربیت کر رہے ہیں جس کے الحمدللہ خاطر خواہ نتائج بھی سامنے آرہے ہیں، اللہ تعالیٰ سے دُعاء ہے کہ وہ ہماری اِن تمام کاوشوں کو محض اپنے فضل وکرم سے قبولیت سے سرفراز فرما کر مزید کی توفیق عنایت فرمائیں اور ہم سب کے لیے ذریعۂ نجات بنائیں (آمین)

بسم الله الرحمن الرحيم

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم

أرحم أمتي بأمتي أبو بكر
وأشدهم في أمر الله عمر
وأحياهم عثمان وأقضاهم علي
وسيدا شباب أهل الجنة الحسن والحسين
وسيدة نساء أهل الجنة فاطمة
وسيد الشهداء حمزة رضي الله عنهم

بپاس خاطر عزیزم محمد انور قادری سلمہ اللہ تعالیٰ
حررہ نفیس الحسینی ١٣٩٩

صفہ ٹرسٹ لاہور